

۹۱۵۲۲۲۲
۱۹۳۸

CH
1938

سوتی

CHECKED 1980

تصنیف

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

بے

رازق الخیر فی الدنیا و الدارین

۱ اکتوبر
۱۹۳۸

عظیمت بخشی دہلی شائع کیا

چھٹی
مرتبہ

SA 71/30

CHECKED 1980 ۵۸ < ۶۵ ۱۰۹

قیمت سات آنے

مصوٰغہ حضرت علامہ اشدرخیری علیہ السلام کی تصانیف

۱۲	نادر	۱	انگوٹھی کا راز	۱۲	آمنہ کالال
۴	بے نیکی کا آخری دن	۵	تفسیر عصمت	۴	سیدہ کالال
۴	سیاحت ہند	۵	منظر طرابلس	۴	الزہرا
۴	گرداب حیات	۴	منازل ترقی	۴	عروس کربلا
۸	دادالال بھگت	۵	سیلاب (شک تصویر)	۵	دواع خانوں
۱۰	احکام نسوان	۴	جوہر عصمت	۴	شام زندگی
۶	محسن حقیقی	۱۰	نانی غشو	۴	صبح زندگی
۶	مسلم ہوتی بتیاں	۴	طوفان اشک	۴	شب زندگی دو حصے
۱۲	دستان پارینہ	۵	سودائے نقد	۱۲	نوحہ زندگی
۸	دعائیں	۶	ولایتی نغمہ	۱۲	محبوبہ خداوند
۴	چستان مغرب	۸	بنت الوقت	۸	نسوانی زندگی
۱۰	بیل بیار	۴	منازل السائر دو حصے	۴	طوفان حیات
۴	یادگار تمدن	۴	بچہ کا کرتہ	۴	حیات صالحہ
۴	دلی کی آخری بہار	۴	امین کا دم واپس	۱۲	تمغہ شیطانی
۱۲	حور اور اثنان	۴	شہنشاہ کا فیصلہ	۴	جوہر قدامت
۴	نشیب و فراز	۸	نشانہ سعید	۴	باسمین شام
۱۲	مسلمان عورت کے حقوق	۴	دیشیا کی سرگذشت	۴	موودہ
۴	ساجن موبہنی	۴	چاند عالم	۱۲	غدر کی ماری شہزادیاں
۴	خلاتی راج اور دسکرافٹ	۴	شہید مغرب	۴	ستون
۴	زیور اسلام	۸	سراب مغرب	۸	قلب حریف
۸	شادی کا انتخاب	۸	ڈر شہوار	۴	دواع طفرانہ تصویر
۸	عالم نسوان	۸	سار و حویک اعمانے	۴	تیغ کمال
۶	غریب ہستی	۴	قرآنی قصے	۶	بساط حیات
۶	بکھری ہوئی بتیاں	۱۰	عروس مشرق	۸	گلدستہ عید
۱۰	محصولہ اک بزمہ خریدار	۱۰	بزم زندگان رہا تصویر	۴	گر قیام فیض
۱۰	گدڑی میں لال	۱۰	گدڑی میں لال	۱۰	روداد فیض

حضرت علامہ مخدوم کی یہ کتابیں نیز خواتین کے مطلب کی بہترین اردو کتاب
وقف عصمت کو چھپایاں دہلی سے منگائیے

نمبر واحد
پانچ واحد
نام کتاب
فن کتاب
نمبر کتاب

مڈھے ٹکٹا
کی تفسیر ایک انصاف
اس کا کوئی اور
مولوی، عالم کا
اسلام کہہ کر سید
پھر تاکہ ہنسی کے
میں بسر ہوتا ہو
جوہر میں چار
افصال گھر
کچھ خوشامدی ہو
دوسری بیوی
ہوتے پر وہ کا
المحرقہ
پہلی بیوی منقو
تھی اس کا جواب



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مڈھے ٹھہریں، پرانے دھرانوں، دقیا نوسی اقل آغویوں، گئے بازوں اور دم واپس
کی تضحیک انفصال کی صحبت کا ایک دلچپ مشغلہ تھا۔ اتوار کی رات کو اول تو وہ خود ہی ورنہ
اس کا کوئی اور دوست، سبز عامہ باندھ، ڈھیلا چندہ پہن کر، اور مصنوعی ڈاڑھی لگا کر ویش
مولوی، عالم کا بھیس بھرتا کبھی وعظ کی ہنسی اڑتی، کبھی چندہ کا مضحکہ ہوتا، کوئی اسلام
اسلام کہہ کر سینہ کوئی کرتا اور کوئی درو قوم کا بیمار بن کر اس طرح پیٹ پکڑے پکڑے پھرے
پھرتا کہ ہنسی کے مارے سب کے پیٹ میں مل پڑ جاتے، غرض رات کا بڑا حصہ اسی ہو ہوا
میں بسر ہوتا۔ خوش قسمتی سے مسجد کا ایک پیش امام دس روپیہ ماہوار پران کے ہاتھ لگ گیا تھا۔
جو ہینہ میں چار مرتبہ اپنی شرکت سے ان کی صحبت گرم کر دیتا اور ان کا تختہ مشق بن جاتا۔
۱ انفصال گھر سے خوش حال تھا۔ بیرسٹر اور معزز عہدہ دار تھا۔ اس لئے اجباب کے علاوہ
کچھ خوشامدی بھی اُس کے ان سانگوں کا کلمہ پڑھتے تھے۔ شام کے وقت جب اُس کی
دوسری بیوی حارثہ موسیقی کے پھول مجلس میں کھیرتی تو جمع معطر ہوتا۔ تفریح کے مختلف عنوان
ہوتے پردہ کا خاکہ اتر تاق رت پر لعن طعن ہوتی نماز کی نقل اترتی روزہ کی تصویر بنتی۔

المختصر انفصال کا دل وہ دل تھا جس میں رنج و فکر کا بھول کر بھی گزر مشکل تھا۔ اُس کی
پہلی بیوی منورہ تھی تو اسی کو ٹھنی کے ایک حصہ میں، مگر وہ کیا تھی کیسی تھی اور کس طرح تھی
تھی اس کا جواب صرف یہ ہے کہ انفصال کو بیرسٹری کے بعد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح

کرنا پڑا کیوں کیا؟ اس کا جواب اس کے سوا کیا ہوگا کہ افضال کو منظور مطلق نہ کر سکی۔ فقیہین میں ملازم کون ہے اور کس حد تک ہے اس کا جواب واقعات دیں گے۔

حاصل نہ تعلیم یافتہ تو ہندوستان ہی کی تھی مگر کوار پتہ میں باپ کے ساتھ یورپ کی دو تین مرتبہ سیر کر چکی تھی وہ شاید دوسری بیوی ہنگواری نہ کرتی لیکن افضال کے وعدوں نے بھی حالات نے بھی اور واقعات نے بھی اس کو یقین دلایا تھا کہ منوس کا عدم وجود برابر ہے اور افضال کا اور اس کا واسطہ برائے نام ہے۔ حاصل نہ کے سامنے بیوی ہونے کا خیال تو دور کرنا اس کا وہم بھی اس کے دل میں نہیں آسکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہر با بھی تھا اور ہونا چاہئے بھی تھا۔ منوس یا اس کے گھر میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جو افضال کو اپنی طرف کھینچ سکے۔ اس کے پاس اور اس کے آس پاس کشش کا کوئی مادہ تھا ہی نہیں۔ بلکہ ہر شے بجائے محبت کے سبب تنفر تھی جو تمام معاشرت جس کا افضال دشمن تھا منوس کے ہاں موجود تھی، وہاں ایک خوشنما غلاف میں ہارمونیم یہاں قند کے جزوان میں کلام مجید! وہاں ابھی سے ابھی میز اور بہتر سے بہتر میز پوش یہاں خوبصورت سے خوبصورت چیز نماز کی چوکی اور جاناڑا! وہاں موتیوں کی لڑی گلے میں، یہاں تسبیح کے دانے ہاتھ میں! وہاں دن رات میں چار پانچ مرتبہ کھانا اور چار یہاں ہر جمہورت کا روزہ! وہاں زکوٰۃ گناہ اور غیرت، حرام، یہاں ہر کھانے میں سجد کے ملا اور خانقاہ کے طالب علم کا جھمکا ضروری اور لازمی! غرض اجتماع ضدین اور رجبہ الشریفین تھا کہ افضال دن تھا تو منوس رات، وہ سفید تھا تو یہ سیاہ۔ اور وہ مغرب تھا تو یہ مشرق! لیکن اس اختلاف و تقارر و تخیل و تکرر میں ایک حبیب یا پیر منو کا اپنی گھٹی میں ساتھ لائی جو اگر غلاطت تھا تو اس کی چھینٹیں اور جوہر تھا تو اس کی کرشمیں تمام گھر پر پڑ رہی تھیں، اس کا نام طاعت شوہر تھا۔ اور اس حال میں بھی کہ کامیابی ہر سمت سے

مس دوا در خود دود ہو چکی تھی
افضال اگر کبھی بھوسے
جاتا تو وہ کھڑی ہو جاتی۔ بجا
دہر کا دیتی افضال اس کا
چاہتا یہ ضرور تھا کہ منوس
جگہ گڑوں اور قدیمی یہ ہو گیا
پئے، اپنے، کو دے!
منوس اکثر اعتبار سے
تھی۔ لیکن وہ اپنی زندگی
جو کچھ ہو سکتا اس کے
اس نے باندھا۔ پاؤں،
ہے کہ جمعرات کا روزہ

میرا کے موسم ہر
جنس نہ کھائی شاید
قتل اور تشفی کی اور
مشتی کی زندگی کی
پہلے ہی تیکن آہستہ
اس کا ہاتھ

مسودہ اور خود مودہ ہو چکی تھی وہ اس کوشش میں ہمیشہ سہمکے تھے کہ افضال کو خوش کر سکے۔

افضال اگر کبھی بھوئے، بے سہرے تیسرے چوتھے مہینہ کھڑے کھڑے اس کے ہاں کل بھی جاتا تو وہ کھڑی ہو جاتی، بجھڑکی لات گھٹنوں تک، گرمی ہوتی تو پیچھا جھیلے لگتی اور جاتا ہوتا تو انگلی دھکا دیتی افضال اس کو بھی لغویت پر محمول کرتا اس کو منوس کی ادائیں ایک آنکھ نہ بھاتیں مگر وہ چاہتا یہ ضرور تھا کہ منوس پر وہ کی لغویت پر لعنت بھیجے، اس کی بزم طرب میں شریک ہوا تو قیادوی جھگڑوں اور قیدی یہودیوں کو سلام کرا طینان سے زندگی کا لطف اٹھا، کھائے، پائے کھائے پیئے، اپنے نقطہ، کو دے!

منوس اکثر اعتبار سے خوش تھی اور اس حالت میں بھی وہ خدا اور افضال دونوں کی شکر گزار تھی۔ لیکن وہ اپنی زندگی میں جس کی کو محسوس کر رہی تھی، وہ رضا مندی شوہر تھی، اور غریب سے جو کچھ ہو سکتا اس کے خوش کرنے کو کرتی تھی، ساڑھی اس نے ہاندی، آڑی مانگلس نے نکالی، چٹا اس نے ہاندیا، پاؤ ڈھلا، ہینلین ملی، مہندی چھوڑی، ہسی چھوڑی، سرزم چھوڑا، کاجل چھوڑا، حدیہ ہے کہ جمعرات کا روزہ چھوڑا، لیکن دلی دور ہی نظر آئی اور افضال کا دل نہ ہینچا!

(۲)

میریا کے موسم میں منوس بھی بخاری لپیٹ میں آئی اور کچھ ایسا بخار چڑھا کہ تین چار روز تک جنبش نہ کھائی شاید چوتھا یا پانچواں روز تھا افضال اس کو دیکھنے گیا، تھوڑی دیر بیٹھا، اس کی تسلی اور تسفی کی اور یہ کہہ کر چلا کہ میں ابھی ڈاکٹر کے ہاں سے دوا منگواتا ہوں، ایسے موقع پر کہ منوس کی زندگی کی تمام توقعات جس فاسک وابستہ تھیں وہ اس کے سامنے تھی منوس کا دل بھرا، افضال کے پہلے ہی تکیں آمیز کلمہ پر اس کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے روتی ہوئی اٹھ بیٹھی اور دروازہ میں جا کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ افضال نے پھر تسکین دی اور کہا۔

منوس مطمئن نہ کر سکی، زلفین لگے۔

کے ساتھ پورپ کی دو تین مرتبہ کے وعدوں نے بھی حالات ہم و ہر برابر ہے اور افضال ہونے کا خیال تو درکنار اس کا ہا بھی تھا اور ہونا چاہئے بھی اپنی طرف کھینچ سکے۔ اس کے بلکہ ہر شے بجائے محبت کے سبب ہاں موجود تھی، وہاں ایک بیرا وہاں ابھی سے ابھی میز چیز نماز کی چوکی اور جانا ز! سا وہاں دن رات میں چار گناہ اور خیرات، حرام، یہاں ہر ی اور لازمی، غرض اجتماع۔ وہ سفید تھا تو یہ سیاہ۔ اور بلکہ میں ایک عیب یا پزیر نہ تھا اور جو ہر تھا تو اس کی کرشم تمام میں بھی کہ کامیابی ہر سمت سے

”گھبرانے کی بات نہیں ہے، بخار کے دن ہو رہے ہیں۔ میں ابھی دوا منگاتا ہوں۔ کل تک

بخار اتر جائے گی“

افضال کا یہ فقرہ قلب مجروح پر ایسا منتشر تھا جس نے مقوس کو آپس سے باہر کر دیا جو ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اسے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا اور کہنے لگی:-

”مجھے بخار یا موت کا ڈر نہیں صدمہ یہ ہے کہ میں تم کو خوش نہ رکھ سکی“

یہ آخری الفاظ مقوس نے ٹوک کر کہے بخار تیز تھا، مگر احساس فضل اور جوش محبت نے ایک خاص قسم کی توانائی جسم میں پیدا کر دی، مقوس کی اس التجا پر افضال کا دل نرم گیا۔ اس نے بیاریبی کی ایک خاص نظر سے دیکھا اور کہا:-

”بیشک میں تم سے خوش نہیں ہوں، مگر خوش ہو سکتا ہوں، تم خود اپنی زندگی برباد کر رہی ہو، نہیب کے چکر نے تم کو تاراج کر دیا، تنھاری جہالت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ تم میرے واسطے نہیں اپنے واسطے سوہان روح ہو، بہاری کی ذمہ داری تم خود ہو، اگر ہو اوری کو نکلتیں، تازہ ہوا کھاتیں اور بجائے ہر وقت تسبیح پھیرنے اور جاننا پر ٹکڑیں مارنے کے سیر و تفریح میں شریک ہو، میں تو بخار کا حملہ قطعاً نہ ہوتا میں اب بھی تم کو ہر طرح کی مدد دینے کے واسطے تیار ہوں اگر تم اپنی اسلحہ پر آمادہ ہو جاؤ، ان فضولیات سے باز آؤ۔ پردہ کو قطعی آگ لگا دو، اور غدا و ثواب کے مسئلہ کو بھونک دو۔

میں پہلے بھی تم سے کہہ چکا ہوں اور اس وقت بھی کہتا ہوں کہ تمھارے ہی عقیدہ کے موافق تمھارے ہی خدا اور تمھارے رسول کا فیصلہ ہے کہ شوہر خدا لے مجازی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ تم میرے حکم کی تعمیل سے انحراف کرتی ہو؟ میں نے پہلے بھی تم سے بار بار کہا اور اس وقت بھی کہتا ہوں کہ تم جس چیز کو عذاب سمجھتی ہو اگر وہ واقعی عذاب ہے تو اس کو میری گردن پر ڈال دو اور حاسنہ کی طرح میرے ساتھ زندگی بسر کرو“

ستوتنی

شہرت

افضال

تھیں کہ

اضطراب

کے ہاتھ

”

ان

ہی اندر

اعتبار

یہ چیز بہت

خیال

افض

اور سہما

سے قطع

آج اف

کے کھا

چونکہ

بنا ہوا

س۔ کل تک

شدتِ حرارت نے منوں کے دماغ کو تہ دبا کر رکھا تھا۔ اس نے معاملہ کے ہر پہلو پر نظر ڈال کر
افضال اس کے سامنے کھڑا تھا اور اس وقت اس کی تمام کوششیں صرف اس خیال میں محدود
تھیں کہ یہ صورت چند لمحہ میرے سامنے اور رہے اور اچھل ہو تو اس طرح کہ میں اپنے کرب و
اضطراب میں اس پر لطف خیال کو ساتھ لے کر سوؤں کہ افضال مجھ سے خوش ہے۔ اس نے افضال
کے ہاتھ کو پھر بوسہ دیا اور کہا:-

ہر کر دیا جو ہاتھ

ت نے ایک

”میں ہر طرح حاضر ہوں، روزے تو میں نے چھوڑ دیئے“

نے بیا بیوی

ان الفاظ کے ادا کرنے میں کہ روزے تو میں نے چھوڑ دیئے؟ ایک خاص طاقت نے اندر
ہی اندر اس کے کلیجے پر برہمی ماری۔ اس نے محسوس کیا کہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ واقعیت کے
اعتبار سے صحیح ہے مگر ایک مسلمان عورت کی زبان سے ان کی ادائیگی صحیح نہیں معلوم ہوتی۔
یہ چیز بہت تھوڑی دیر تک باقی رہی افضال چلا گیا، منوں گرتی پڑتی آئی، آکر لیٹی تو وہ اس
خیال سے خوش تھی کہ افضال میرے پاس سے خوش گیا۔

رہی ہو، نہیب

سطے ہمیں اپنے

تیں اور بجائے

(۳۱)

تو بچا اس کا حملہ

افضال کی سالگرہ کا جلسہ نہایت دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ مسلمان رؤساء کے علاوہ انگریز
اور ہندو بھی شریک ہوتے تھے۔ مگر یہ سب اس کے ہم مذاق و ہم خیال تھے یعنی وہ لوگ جن کو روحانیت
سے قطعاً واسطہ نہ تھا اور جو زندگی کا مقصد صرف زندگی کو بخوشی و خرمی گذار دینا سمجھتے تھے۔
آج افضال مدین میں اس جلسہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور کوشش کی جا رہی تھی کہ رات
کے کھانے پر دنیا کی تمام نعمتیں موجود ہوں میز کسی قسم کی شراب یا طعام سے محروم نہ ہو۔ عموماً
چونکہ سرور تھا اس لئے یہاں شام ہی سے آنے شروع ہو گئے۔ بڑا کمر بھلی کی روشنی سے ہلکا نور
بنا ہوا تھا کہ دفعتاً افضال کو منوں کا خیال آیا ہم کو قطعاً یقین نہیں کہ ہم افضال کی نیت پر عمل کریں

ملاحجہ برآباد

پھونک دو۔

کے موافق

ہے کہ تم

فتہ بھی آتا

س دو اور

اور یہ کہیں کہ اُس نے منوس کے شریک کرنے کی کوشش محض اس واسطے کی کہ اپنے جہانوں کی خاطر مدارات اور تفریح میں اضافہ کرے اس کی نیت جو کچھ ہو، اسے اور اس کا خدا جانے، مگر عقل سلیم افضال کے اس فعل کو وقعت سے نہیں دیکھ سکتی بہر حال یہ علیحدہ سوال ہے بحث نفس معاملہ اور حالات سے ہے اور وہ یہ ہے کہ افضال جلدی میں سٹ پٹایا ہوا منوس کے پاس پہنچا اور کہا:-

”راج میری سالگرہ کا جلسہ ہے میرے تمام احباب جمع ہیں۔ حاسنہ نہایت گرم خوشی سے ان جہانوں کا استقبال کر رہی ہے تم اگر کچھ اور نہیں کر سکتیں تو دعوت میں شریک ہو کر اگر اور کسی پہ نہیں تو کم از کم مجھے ہی پر ثبات کرو کہ میری زندگی تم کو کس قدر عزیز ہے، میں پھر کہتا ہوں کہ اگر تم کو کھانے پینے میں کوئی چیز ناگوار ہو یا گناہ سمجھو تو اس کا با میری گردن پر ہو گا۔ تم سے کوئی واسطہ نہیں“

منوس کے سامنے اس وقت دو متضاد چیزیں تھیں۔ وہ گفتگو کا پہلا حصہ سن کر اس کے لئے افضال کو خوش کرنے کا ایک سامان پیدا ہوا خوشی سے اچھل پڑی اور فوراً ہی اُس کے دل نے فیصلہ کر لیا کہ میں ضرور شریک ہوں گی۔ مگر ساتھ ہی جب یہ خیال آیا کہ غیر مردوں کے پاس بیٹھنا پڑے گا۔ اس کی خوشی کچھ بچھی گئی۔ عذاب و ثواب کا مسئلہ سن کر اس کا ذہن فوراً شراب کی طرف منتقل ہوا اور تمام توقعات ناکامی سے بدل گئیں۔ پھر بھی افضال کے خوش کرنے کی یا اس کے حکم کی تعمیل کرنے کی خواہش اس قدر غالب تھی کہ اس نے اپنی آمادگی ظاہر کر دی۔ افضال بھی یہ دیکھ کر اور سن کر خاموش ہو گیا اس کے چہرہ پر مسکراہٹ آئی اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ ”تم کپڑے بدل کر فوراً آؤ۔ مگر خدا کے لئے یہ ڈھیسلے پانچوں کا پا جامہ اور کرتہ پہن کر نہ آ جانا“

منوس پیاری کو دہی تین چار باتیں ساڑھی۔ آڑھی مانگ۔ پوڈے ہینر لین وغیرہ معلوم تھیں انہیں

سے آراستہ ہو کر جلدی جلدی پہنچ گئی۔ مگر دروازہ میں پہنچتے ہی جب اس نے غیر مردوں کی آواز
سُنی تو حیا و نجابت کر اس کے قدموں میں گری اور اس کو باہر نکلتا قسم ہو گیا۔ حاشا کہ اس کی کیفیت
دیکھ کر ہنسی ہوئی آگے بڑھی اور افضال کو اشارہ کیا اور اس طرح دونوں میاں بیوی منوس کے استقبال
کو دروازہ تک آئے۔

ہم نے افضال کی نیت پر حملہ نہیں کیا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم حاشا کی نیت کو
کو بھی پاک و صاف سمجھیں۔ وہ اُس غیرت نوانی سے جس کا خون اس وقت منوس کے جسم میں دوڑ
رہا تھا قطعاً نا آشنا تھی۔ وہ مذاق کے قدموں سے آگے بڑھی اور اس کے استقبال میں منوس کی
توہین کے سوا اور کوئی جذبہ پاکیزہ نہ تھا منوس جھپک رہی تھی۔ افضال اس کا ہاتھ پکڑ کر لایا وہ سمجھتی ہوئی
سکڑتی ہوئی دبی ہوئی نیچی نظروں سے کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ مگر اس پر خاص حالت طاری تھی جس کا
اندازہ آسانی سے نہیں ہو سکتا غیر مرد اس کو بے باکانہ گھور رہے تھے۔ وہ زمین میں گڑی جاتی تھی۔
اس کا بدن پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اس کی آواز بچھ رہی تھی۔ اس کا
گلا گھٹ رہا تھا اس سردی میں کہ چاروں طرف سے انگلیٹھیاں روشن تھیں۔ منوس کی پیشانی پر
پسینہ کے قطرے موجود تھے اور اس کا تمام جسم تھر تھرا رہا تھا۔ تھوہوں نے اس کی حالت اور بھی
ردی کی اور اس کے دل نے یہ فیصلہ کیا کہ کاش زمین فتح ہو اور میں سا جاؤں ابھی مینر پر رکھانا
نہ آیا تھا۔ شرابیں اڑ رہی تھیں۔ مردانہ شراب الگ تھی اور زنانہ الگ کہ افضال خود اپنی کرسی سے
اٹھا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے بوتل کھولی۔ گلاس بھر کر منوس کے سامنے رکھا اور غدا بٹ ٹواب
کے الفاظ پھر دہرائے۔ منوس کی حالت اس وقت کیا تھی ہمارے پاس الفاظ نہیں۔ وہ عجیب
مصیبت اور غلبان میں تھی۔ کبھی موت کی تمنی تھی۔ کبھی چپکے سے بھاگ جانے کی آرزو مند۔ شراب کا
خیال آتے ہی اس کے قلب و دماغ پر استعمال سے قبل ہی پورا اثر ہو گیا اس کو چلا آنے لگے اور تمام

جسم میں عیشہ سا پیدا ہو گیا۔ افضال نے مسئلہ غلاب و ثواب پھر دہرایا اور اس مرتبہ اتنا اضافہ
 اور کیا کہ اگر تم ہم سب کی توہین جائز سمجھتی ہو تو اس کے بعد میری صورت نہ دیکھو گی؟
 یہ فقرہ سنتے ہی منوس نے گلاس پینے کے واسطے اٹھایا اور چاہتی تھی کہ منہ سے لگائے کہ دل نہ
 کروٹ لی اور صدا دی کہ اس زندگی سے موت بہتر ہے۔ اس نے گلاس مین پر رکھ دیا۔ افضال
 کے وہی الفاظ پھر اس کے کان میں پہنچے۔ اس مرتبہ وہ گلاس اٹھا کر منہ سے قریب لے گئی
 مگر پھر ضمیر کی خوبصورت دہی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گلاس مین پر رکھوایا۔ تیسری مرتبہ پھر وہی
 الفاظ منوس کے کان میں گونجنے لگے۔ اب گلاس منوس کے ہونٹوں سے لگا ہوا تھا اور اس کے ساتھ
 ہی ایمان کے خوشنما پھول اس کے دماغ کو معطر کر رہے تھے۔ وہ پکپکلا گئی۔ اس نے گلاس نیچے
 رکھ دیا۔ لا حول پڑھی اور کھڑی ہو گئی۔ خوف و ہشت اور شرم و ندامت نے اس کو پسینہ میں ڈال دیا
 کر رکھا تھا۔ مگر اس وقت نہ معلوم اس کے جسم میں کیا طاقت تھی کہ وہ بھاگی و روانہ ہوئی و غل
 ہوئی اور ایسی غائب ہوئی کہ پھر اس کا پتہ نہ ملا۔

کھانے سے فراغت پانے کے بعد افضال حاسنہ نوکر پر کرسی بٹل کر نہ صرف کوٹھی بلکہ
 شہر کا چتہ چتہ اور کوہ کوہ و ہونڈ ڈالا۔ مگر منوس کی صورت نظر نہ آئی۔

(۴)

متواتر تین چار روز تک خود افضال اور اس کے آدمیوں نے نیروپس نے چاروں طرف
 منوس کو تلاش کیا مگر خدا معلوم آسمان کھا گیا یا زمین۔ ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا۔ نواں یا سوواں
 روز تھا کہ ایک بھاڑی میں سے ایک عورت کی برہنہ لاش اسی طرح برآمد ہوئی کہ جسم پر کھل
 مطلق نہ تھی البتہ پاؤں کا کچھ حصہ ثابت تھا لاش پہچانی نہ جاتی تھی مگر گمان غالب تھا کہ وہ
 بدبخت منوس تھی جس کو بنگل کے جاندروں نے تنہا پا کر مارا اور کھا گئے۔ افضال پر بد نصیب

بیوی کی اس طرح رحلت کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ اس نے البتہ ایک وقت کھانا نہ کھایا اور جسم کا جو حصہ ہاتھ آیا اس کو اسی طرح دفن کر کے نہ صرف قبر بنوادی بلکہ اس کے سر پرانے پتھر لگا کر یہ الفاظ لکھوا دیئے۔

حیا کی دیوی جو پر وہ پر قربان ہوئی

منوس کی موت اگر معمولی رنج تھا تو اور صدمہ عظیم تھا تو رفتہ رفتہ ختم ہوا۔ اور اب افضل کے گھر میں منوس کا نام کیا آنا افضل کے دل سے بھی اس کا نام حرف غلط کی طرح مٹ گیا، اور حاسنہ کبھی کبھی مذاق کے طور پر اس کا ذکر چھیڑ لیتی۔ ایک سال اسی طرح بسر ہوا اب افضل کا آفتاب زندگی پورے شباب پر تھا اس کھلے ہوئے پھول کی طرح جس کو صیاد کا کھنکھہ ہونہ گلچین کا خوف۔ خزاں کا اندیشہ ہونہ سموم کا ڈر افضل زندگی کے باغ میں طینتا کامل سے جھول رہا تھا۔ منود کی موت نے بھی اس کو شس سے مس نہ کیا اور جو کچھ ہوا اس کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد بھی اس کی آنکھیں نہ کھلیں۔ اس کی صحتیں ہستور گرم تھیں۔ وہی جلے اور مذاق تھے وہی حادثہ اور احباب وہی لطف اور وہی معاشرت کہ افضل کو اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلی میں غیر معمولی کھجلی کی شکایت ہوئی فوراً ڈاکٹر کو بلایا اس نے وادوی ایک ہفتہ بعد یہ کھجلی تمام جسم میں پیدا ہوئی شکل سے ایک مہینہ اس طرح گذرا ہوگا کہ خون میں خرابی کے آثار نمودار ہوئے، فساد خون کا یقین ہوتے ہی ڈاکٹر نے ہدایت کی کہ یوں تو گھر کے تمام نوکر مگر حادثہ افضل بالخصوص مرلیجن سے علیحدہ رہیں۔ چونکہ مرض متعدی اور کوڑھ یقینی ہے اس لئے اگر احتیاط نہ کی گئی تو حادثہ افضل یقیناً اور جو نوکر قریب رہیں گے وہ غالباً اسی مرض میں مبتلا ہو جائیں گے۔ چہہ ہیئت تک افضل کو ٹھی کے ایک کمرہ میں لگ پڑا رہا۔ حاسنہ

تھی تو اسی کو ٹیچی میں مگر کبھی آنکھیں دسویں روز پرچہ لکھ کر ضریحیت معلوم کر لیتی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ پرچہ آدمی کے کمر و کھڑا ہو جاتا اور وہ پڑھ لیتی، مریض کی حالت روز بروز بگڑتی گئی، دنیا بھر کے ڈاکٹر جمع ہو گئے مگر فساد خون میں کمی نہ ہوئی، جسم بالکل خراب ہو گیا، چہرہ کی حالت ایسی تاراج ہوئی کہ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ وہ پھول سا جسم جس کو شکن پڑا ہوا کا لڑنا گوار تھا اب اس پر کوڑھ کا پورا تسلط تھا، ہاتھ پاؤں سوچھ کر کٹا ہو چکے تھے کئی جگہ زخم تھے اور ایک آدھ جگہ کیڑے بھی، طیب حیران تھے کہ اس قسم کی کوڑھ کبھی سننے میں نہیں آئی بالآخر ڈاکٹر واکر کا متفقہ فیصلہ یہ ہوا کہ جس طرح سے ہو مریض کو شہر سے دور کوڑھی شفا خانہ میں پہنچا دیا جائے تاکہ دوسرے آدمی اس مرض میں مبتلا نہ ہوں۔

افضل خود بھی ڈیڑھی کلکٹر تھا اس فیصلہ نے اس کے پچھکے چھٹا دئے۔ ہر چند کوشش کی مگر سب سرجن کے فیصلہ کے سامنے ایک پیش نہ گئی۔ پھر بھی افضل نے تعمیل سے انکار کر دیا۔ نوبت حاکم ضلع تک پہنچی ڈاکٹر کا بیان تھا کہ افضل کے کورھی چٹوں اور زخموں سے دو تین مرتبہ کیڑے نکلے اور اس حالت میں مریض کا حدود نیسپاٹی میں رہنا تمام شہر کو اس مرض کو مبتلا کرنا ہے۔ افضل کہتا تھا کہ کیڑوں کا ہونا قطعاً غلط ہے۔ معاملہ مجسٹریٹ تک گیا اور فیصلہ حادثہ کی شہادت پر ٹھیکر، کچھ زیادہ قسمی یا حلف وغیرہ کی ضرورت نہ ہوئی پڑھے لکھے آدمی کا کاشنس سب سے بڑا حلف ہوتا ہے، ڈاکٹر نے مجسٹریٹ کے سامنے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ سزا افضل مجھے پورا یقین ہے کہ آپ کاشنس کو ہاتھ سے نہ دیں گی اور آپ کی زبان سے کوئی لفظ واقعات کے خلاف ادا نہ ہوگا۔

اتنا سنتے ہی حائر نہ یعنی سزا افضل نے فرما دیا کہ سزا افضل جھوٹ تو نہیں بولا کرتے کیڑوں سے انکار غالباً ان کے دماغ کی خرابی ہے۔



حاصل شدہ کی شہادت جہاں اس وجہ سے تو تعجب انگیز نہیں رہتی کہ کاشف والے جھوٹ بولنا قطعاً حرام سمجھتے ہیں۔ مگر اس وجہ سے تعجب انگیز ہو جاتی ہے کہ وہ قودوں پہلے مریض سے کوسوں دور تھی! شہادت پر فیصلہ اسی شخص کی ہوتا ہے جو ہوا سے بچ رہا تھا اور عینی شہادت وہ عورت دیتی ہے جو پرچہ بھی دور سے پڑھتی تھی اور نوکروں کو بھی حکم نہ تھا کہ مریض کے کمرہ سے نکل کر بغیر نہائے دھوئے پاس آجائیں۔ خیر ہم کو اس بحث کی ضرورت نہیں۔ یاں صرف یہ کہنا ہے کہ اس شہادت کا نتیجہ یہ ہی ہونا چاہئے تھا اور ہوا کہ آبادی سے سترہ میل کے فاصلہ پر افضل کوٹری ہسپتال میں بھیجا گیا جہاں صرف ایک سرکاری ملازم نگراں تھا۔

ڈاکٹر نے حاملہ کو یقین دلایا تھا کہ مریض کی زندگی ناممکن ہے اس لئے وہ شوہر کو ہسپتال کے گھاٹ اتار کر بے فکری کی زندگی بسر کرنے لگی۔ چند روز بعد جب ڈاکٹر کی زبان فی حکم ہوا کہ حالت رومی ہو تو حاملہ نے اس کو بالکل مروہ ہی سمجھ لیا اور تمام سبب جائداد کی مالک بن بیٹھی۔

(۶)

افضل کی زندگی فریفتگان حیات کے واسطے درس عبرت تھی۔ اس کی بد بخت زندگی کے اس دور کا ہر لمحہ بتا رہا تھا کہ زندہ انسان کس طرح مجبور و لاچار ہو کر بے بس اور بے کس ہو جاتا ہو جس کی لاکھوں روپیہ کی جائداد ہزاروں روپیہ نقد پیش ہمارے پیچھے اور سونے چاندی کے موجود تھے۔ وہ شفا خانہ کے معمولی کپڑے پہنتے لوہے کے ٹوٹے سے پانگٹ پڑا ہوا تام چینی کے ایک بوسیدہ کٹورے میں دو وہ پتیا تھا اس نے ہنک سے بھی روپیہ منگانے کی کوشش کی مگر نہ مل سکا شفا خانہ کا نوکر جو خاص بن کام کے لئے مامور تھا اس کی کیفیت یہ تھی کہ ہوا سمجھ کر دور سے بھاگتا تھا جاڑوں کی پہاڑی راتیں اس ہسپتال میں جہاں وہی نہ آہم رات دن تنہا بسر کرتی، پیچھا چلاتا روتا پیتا۔ مگر اپنی

۲۶۳۳
۹

ہی آواز بڑے کمرہ میں گونج کر کانوں میں واپس آ جاتی ملازم سے کئی مرتبہ خواہش کی کہ وہ رات کو نہیں سو جایا کرے لیکن وہ کس توقع پر سوتا اور کہیں سوتا ڈاکٹر مہبتہ میں ایک دفعہ آتا اور بیل میں ایک دو بھر کمرہ پر رکھ دیتا اور دو چار لٹی سپر بھی باتیں دور سے کھڑے کھڑے ملا جل دیتا۔ دن کو البتہ کھڑا آدھ گھڑی نوکر کی صورت اس طرح دکھائی دے جاتی کہ وہ الگ سے برتن میں دودھ ڈال سیدھا لیتا۔ افضال سوال کرتا آواز میں دیتا مگر کس کا جواب وہ پلٹ کر بات بھی نہ پوچھتا اور بھر شام کو صورت دکھاتا تین چھینے اسی طرح گندے گئے اور اب حالت یہ ہو گئی کہ افضال میں چلنے پھرنے یا ملنے جلنے کی بھی طاقت نہ رہی ایک موقع پر جب اس کو زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو یہ پرچہ لکھ کر اس ملازم کے ہاتھ حائلہ کو بھیجا:-

میں اس دنیا میں اب چند روز کا اور سہماں ہوں سانس پوکے ہمارے ہیں موت میں زیادہ دیر نہیں لیکن عمر کا یہ آخری حصہ ایسا بدتر گذرا کہ زندگی میں موت کا خوف چکھا دیا۔ مجھے تم جیسی بیوی سے یہ امید نہ تھی کہ جیسے جی مردہ سمجھ لوگی اور ان آخری لمحوں میں جب ٹپ ٹپ کر ترس ترس کر اس دنیا سے رخصت ہو گے۔ تو تمھاری ملا پر وہی اور بے وفائی کا داغ اپنے ساتھ لے جاؤ گا۔ اگر تمھارے دل میں میری ذرہ بھر بھی وقعت ہوتی تو دور رہی۔ سے میری شکل دیکھتیں اور اپنی دکھاؤ نہیں۔ مگر آہ جس کو اپنا سمجھا وہ غیر نگاہی اور جس کو زندگی کا رفیق خیال کیا وہ جان کی دشمن ثابت ہوئی۔ اس سے رہا وہ ظلم کیا ہو گا کہ میں لاکھوں روپیہ کا مالک ہو کر ایک ایک پیسہ کو محتاج ہوں اور اس ملازم کو صرف اس لئے کہ یہ میری خدمت کر سکے کچھ دینا چاہتا ہوں اور نہیں دے سکتا! دنیا شاید ایسی عبرت انگیز مثال آئندہ پیش نہ کر سکے۔ میں نے اپنی تمام عمر خدا کی طاقت کو کبھی تسلیم نہیں کیا مگر اس وقت

ش

پرچہ

مضمون

موت

نہ ہوا

ٹوٹ

ہو کر

میں

افضل

واقعہ

نہ کہ وہ رات کو نہیں

برپا ہوتا ہے ایک

تیار دن کو البتہ کھڑا

وہ ڈال سیدھا ہوتا

پر شام کو صورت

نے یا ملنے جلتے

پرچہ لکھ کر اس ملا

میں پتہ

نہ کا مرقہ

ورن

ہو گیا

مارے

دہلی

کیا وہ

پتہ لک

بند

مثال

تس

میں نہیں جانتا کہ وہ کونسی چیز ہے، جو جیتے جی اس کے حضور میں جھکوا رہی ہے
اور میں اس سے التجا کرتا ہوں کہ اے رحیم اپنے گنہگار بندے پر جس کا سر تجھ سے
ہمیشہ اکرار ہے رحم کر اور آسمان سے کوئی فرشتہ بھیج کر جو خواہ فرشتہ تھت ہو یا تو
میری مصیبت کا خاتمہ کرے۔ حارثہ باقومی زندگی کی شریک تھی مگر تو نے
زندگی ہی میں دکھا دیا کہ دنیا کی محبت چاروں کی چاندنی ہے میں ناشاد نامہ اور دنیا
سے جاتا ہوں مگر یہ کہہ دیتا ہوں کہ قیامت کے روز میرا ہاتھ اور تیرا گریبان ہوگا۔

ملازم یہ پرچہ اس موقع پر کہ حارثہ سے کچھ ملے گا روانہ ہوا اور دوسرے روز جب
شام کو واپس آیا تو نہایت برفروختہ اور غصہ میں لال پیلا اس نے صرف اتنا کہا کہ آپ کا
پرچہ انہوں نے پڑھا بھی نہیں، مجھ کو اندر آنے کی اجازت تک نہ دی اور آدمی کے ہاتھ کھلا بھیجا کہ
”صاحب کو ہمارا سلام دو“

(۶)

برسات کی کالی بھنور راتیں اور جاڑوں کے چمکدار دن افضال کے سر پہ آ اور جا رہی تھیں
ٹوکے گرم پھیڑے ٹھنڈے ہوتے ہوتے برف بن گئے، لیکن افضال کے مرض میں کوئی تغیر
نہ ہوا۔ آفتاب طلوع ہو کر ڈھلتا اور غروب ہوتا۔ چاند برآمد ہو کر گہنا تا اور ڈوب جاتا تا اسے چمکتے
ٹوٹے اور فنا ہوئے مگر افضال کی بیماری کا خاتمہ نہ موت کرتی نہ صحت۔ وہ اب تندرستی سے مایوس
ہو کر بعض دفعہ سجدہ میں گرنا اور موت کی دعائیں مانگنا ہم کو بھی تعجب کہ کس طرح افضال کا سر جس
میں ہمیشہ خوی کا سودا کا یا رہا زندگی کے ایک ہی جھٹکے میں زمین پر گر پڑا لیکن حقیقت یہ ہے کہ
افضال کا دور شباب اور دور شباب کی حرکات و قاتلح تھیں جن کو حالات نے تقویت دی اور
واقعات نے چمکا دیا اور نہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے اس نے ایسی ماں کی گود میں پرورش پائی تھی جو

اپنے وقت میں زہد و اتقا کے اعتبار سے دور دور جواب نہ رکھتی تھی۔ وہ ایک ایسے باپ کا بیٹا تھا جس نے ایک دو نہیں پانچ حج کئے، ہماری آنکھوں نے ان فضال کو اسلام سے فریٹ تعجب سے دیکھا اور اس کی باتیں ہمارے کانوں نے حیرت سے سنیں۔ مگر جب دماغ اُس کے جنتی ماں باپ کی تصویر سامنے لا کر کھڑا کر دیتا تھا تو دل بے ساختہ صدا دیتا تھا کہ ماں کا وہ دھڑا اور باپ کا خون کبھی نہ کبھی رنگ لائے گا۔ اور اسلام اسی انفضال سے جو آج احکام کا مضحکہ اڑا رہا ہے تنگلے کے بل نکال دے گا، طبیعت میں وہ مادہ موجود تھا رگوں میں وہ خون دوڑ رہا تھا بیماری کی جنتری میں وہ بل نکل گئے جو آنکھیں ہرقت مخمور تھیں اب ان میں نہوا گئے۔ وہی دماغ جو نئی نئی تضحیک کے پہلو سوچتا تھا اب خدا نے برتر کے خوف سے تھڑھک رہا تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ انفضال پانی کے ایک ایک قطرہ کو ساری ساری رات ترستا رہا ٹھنڈے پانی کے واسطے دنوں تڑپتا لیکن ہر خواہش جو دل میں پیدا ہوتی باہل ان ہی خود پھولوں کی طرح جو فضائے حیات میں چند لمحے کھل کر فنا ہو جاتے ہیں یا ان پیدائش کی طرح جو برسات میں پیدا ہو کر شمع پر قربان ہو جاتے ہیں کچھ کر فنا ہو جاتی۔ وہ اب ان مصائب اکتا گیا۔ یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہو چکی تھی کہ انفضال کے قریب جانا موت کے منہ میں جانا ہوا اس لئے جان کسی کو دو بہرہ نہ تھی یہی حائرۃ اسے انفضال کی صحت کی ایسا میدان تھی اس لئے اس نے زندہ ہی شوہر کو مردہ نقیبن کر لیا۔

(۸۰)

انفضال نے کئی دفعہ زندگی سے بیزار ہو کر خدا کے حضور میں اپنی موت کی وعائمانگی اور التجا کی کہ کسی طرح ان مصائب کا خاتمہ ہو۔ ایک شام کو اس نے اسی حالت میں مغرب کی نماز ادا کی اور بعد نماز رونا ہوا خدا کی درگاہ میں گرا۔ دل دکھا ہوا، کلیجہ ٹھٹھا ہوا، حالت گری ہوئی اور خود زندگی سے تنگ آیا

ہوا تھا۔ قلب مجروح کی صدا تیرہ بن کر زبان پر آئی اور عجز کا جامہ پہن کر اڑلی اور ابھی قسط کے سامنے پہنچی۔ کمرہ میں اندھیرا گھپ تھا روشنی دو چار گھنٹے کو برلے نام ہو جاتی تھی اور آج وہ بھی نہ تھی، سجدہ میں پڑا تو مارا، بلکتا رہا، ترپتا رہا۔ اور گڑگڑاتا رہا، نقاب ہت پہلے ہی سے تھی خوفِ خدا نے تمام بدن کپ کپا دیا، روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔ بارہ بجے کے قریب آنکھ کھلی تو دروازہ میں آہٹ سنائی دی آسانی سے اٹھنے کی طاقت نہ تھی، پوچھا دریافت کیا آواز دی۔ کمرہ میں روشنی نہ تھی مگر آدمی کی دھندلی سی صورت اور پوری آہٹ تھی، جواب نہ ملتا تھا مگر کوئی چلتا پھرتا صاف دکھائی دیتا تھا۔ آج افضل کو یقین ہو گیا کہ موت تو آئی مگر قبر کی بجائے بھوت کا پیٹ نصیب ہوا، مشکل اٹھا اور چاہا کہ بھوت کو پکڑ لوں مگر ادھر تو انسان اور وہ بھی بیمار اور ادھر بھوت اور وہ بھی تندرست ایک آدھ چکر کاٹنے کے بعد یہ کہہ کر پلنگ پر گر پڑا۔

”آ جا بھائی کھسا جا“

چند لمحہ اسی طرح پڑا رہا۔ پھر کھڑکی کی طرف دیکھا وہاں آٹکھیں چمکتی ہوئی دکھائی دیں جن کے شعے نکل رہے تھے، ہیبت طاری ہوئی تو آنکھیں بند کر لیں، پھر کھولیں تو آنکھوں کے نیچے وہ خوفناک دانت دیکھے کہ ہوش جاتے رہے۔ آنکھیں بند تھیں دل دھڑک رہا تھا اور بدن میں رعشہ پڑا ہوا تھا آخر وہی خیال آیا کہ دعا قبول ہوئی اور یہ فرشتہ موت ہی، اب بھوت افضل کے برابر لیٹا ہوا تھا خوف کے مارے جان نکل گئی۔ دیکھا مگر بھوت کیا چھوڑنے والا تھا، سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کروں کہ بھوت نے گلے میں ہاتھ ڈال دئے۔

افضل نے سچ کر کہا: ”بھائی صاحب خدا کے لئے ہٹ جائیے میں تو کوڑھی ہوں“ مگر بھوت نے خاک نہ مٹائی اور کہا:-

”تو ذرا سو رہا ہے جاگ میں چڑھی توڑوں“

افضال کرتے پڑتے اٹھے اور کہا: ”آپ یہ تو فرمائیے کون بزرگ؟“

بھوت نے قہقہہ مار کر کہا: ”تو نہیں جانتا کہ ہم کون ہیں؟ ہم فرشتہ ہیں۔“

افضال: ”یہ تو میں پہلے ہی سمجھ گیا کہ دعا قبول ہو گئی۔ مگر روح بہت بُری طرح قبض کی“

کیوں جناب فرشتوں کے بھی سینک ہوتے ہیں؟“

بھوت: ”ابے ہو گی کیا۔ روح قبض ہو چکی۔ تو اب افضال نہیں مروہ جواب ہسپتال میں

جو رو میں قبض ہوتی ہیں۔ ان کے فرشتے سینکوں میں ہوتے ہیں اور سوال جواب ہم ہی کرتے ہیں۔“

افضال کا ذہن فوراً بچپن کی طرف منتقل ہوا۔ جب بزرگوں کی گود میں بیٹھتا تھا اور وہ

پوچھتے تھے ”بیٹا کس کا ہے؟“ اور وہ کہتا تھا ”تھارا“ اور فرشتہ نے پوچھا ”بندہ کس کا ہے؟“

اور اس نے بھٹ سے کہہ دیا۔ ”تھارا“ بھوت یہ سنتے ہی گردن پر چڑھ بیٹھا اور کہا ”کھڑا

ہو جا“ ایک موٹا سا گڑ بھوت کے ہاتھ میں تھا۔ مگر اتنا نرم کہ چوٹ نہ لگتی تھی۔ مگر آواز بہت زور کی ہوتی

تھی اب بھوت نے گڑ مارنے شروع کئے اور افضال نے کھڑا ہونا شروع کیا۔ بھوت گردن

پر سوار تھا اور دونوں ٹانگیں نیچے لٹک رہی تھیں۔ بڑی شکل سے اٹھا لیکن پوری طرح کھڑا بھی

نہ ہوا تھا کہ دونوں دھڑام سے گرے افضال چپکے سے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا اور بھوت نے آنکھیں

بکال کر کہا۔

”کیوں بے ہم فرشتوں کے ساتھ پرگستاخی؟ چل قبر میں“ اتنا کہہ کر بھوت افضال کا ہاتھ پکڑا گئے

بڑھا اور ایک کوٹھری کے پاس لے جا کر کہا ”بس اندر گھس جا یہی تیری قبر ہے۔“

افضال جو جھانک کر دیکھتے ہیں تو ایک چراغ ٹٹھا رہا ہے بیسیوں کھوپریاں اور سینکڑوں پٹیاں

پڑی ہوئی ہیں۔ پٹریوں اور کھوپریوں کو جھانک جھانک کر دیکھ رہا تھا کہ کھوپری میں سے آواز آئی ”سلا“

علیکم ”اوہر ایک آدمی سفید کفن میں پسٹا ہوا آگے بڑھا اور ہاتھ پکڑ کر کہا ”آئیے بھائی“

صاحب اندر تشریف لاسیئے؟

افضال بہت پریشان تھا اور دل میں کہہ رہا تھا۔

”حاشا وکلا میں ایسی موت کا طلب گار نہ تھا۔ خدا جانے جادو گھر سے بے سمر خیم ہے۔“

عجائب خانہ ہے۔ یہ مصیبت ہے کیا؟

رک رک کر گفتائے ہوئے آدمی کے سوال کا جواب دیا اور خاموش کھڑا ہو گیا۔ مردہ نے سلام علیکم کرتے ہی افضال کی ناک پکڑ لی۔ اب افضال بہتیرا ہی پہنچ رہے ہیں مگر مردے کے ہاتھ سے ناک نہیں چھوٹی بیٹل تمام جھوٹ نے افضال کے سر پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑا اور کہا۔

”اگر جان کی خیر چاہتا ہے تو اس کا ہڈ پر دستخط کر دے۔“

افضال نیم مردہ تو پہلے ہی سے ہو رہا تھا۔ آج کی مصیبت نے پورا ہی مردہ کر دیا۔ ایک روشنی سی جگہ اور افضال نے کاغذ پر دستخط کر دیئے۔

(۹)

افضال کی کشتی حیات کچھ ایسے بھنور میں پھنسی تھی کہ ڈوبتی تھی نہ اُبھرتی تھی۔ بھونٹ کو موت آتی تھی نہ زندہ ہوتا تھا۔ کبھی خیالی امیدیں چہرہ پر غوشی کے آثار پیدا کر دیتی تھیں اور کبھی ناامیدیاں کھلا ہوا کنول بچھا دیتی تھیں۔ قریب قریب چھ مہینے اس طرح بسر ہو گئے اور شہر میں مس سرفیجہ احمد کے آنے کی خبر گرم ہوئی۔ یہ قابل فخر خاتون جنوبی ہندوستان کی رہنے والی تھیں۔ لندن سے بی اے اور ایم اے کیا شادی کا عہد کر چکی تھیں۔

ہندوستان کی معاشرت اور مسلمانوں کے تمدن پر حسن طعن اُن کا نگینہ کلام تھا۔ نماز روزہ یاد دہرے احکام سے ان کو قطعاً واسطہ نہ تھا۔ اُن کی رائے میں مسلمانوں کی ترقی کا دار و مدار عورت کی اس تعلیم پر تھا جس میں مذہب کا شائبہ تک نہ ہو۔ اُن کے قیام کی بہترین جگہ

ان کا سچا ہم خیال ان کا اچھا دوست حاشمہ کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ وہیں قیام ہوا۔ وہیں آؤ بھگت ہوئی اور وہیں خاطر مدارات، اعلیٰ بیانات پر ایک زمانہ جلسہ کا انتظام ہوا اور شہر کی اکثر خواتین کچھ واقعی مستفید ہونے کے خیال سے کچھ حالات سے باخبر ہونے کے لئے اور کچھ ایک نئی بہن کو دیکھنے کے شوق میں شریک ہوئیں۔ چونکہ اشتہار میں یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ ماؤں کے ساتھ بچے نہ ہوں اس لئے بعض دل مار کر بیٹھ گئیں، اور بعض بے غیرت بن کر بچوں کو گود میں دبا لے پہنچیں، مگر دہکے کھا کر نکلیں، پھر بھی وہ خوش حال اور کھاتی پیتی تھیں جن کے پاس مائیں تھیں۔ بچوں کو ان کی گود میں لے ہوئے۔ شریک جلسہ ہوئیں۔ اور یہ انتظام کر دیا گیا کہ بچے ایک علیحدہ کمرے میں اپنی کھانا پیوں کے ساتھ اسٹینج سے دور بھیڑیے جائیں۔ بہر حال قابل مقررہ کی تقریر سے فائدہ یا نقصان اگر پہنچا تو سب پہلے ان بانجھ عورتوں کو جنہوں نے زندہ رہ کر ماتا کے معنی بھی نہ سمجھے اور ماں بننے کی مسرت اور اولاد جیسی نعمت سے قطعاً محروم رہیں۔ حدیث نبوی کے بموجب اس لئے کہ اسلام نے دنیا کے ہر مذہب کے زیادہ عورت کا احترام کیا ہے ان عورتوں کے بھی نعمت ہونے میں ہرگز کلام نہیں مگر یہ وہ پھول ہیں جن میں خوشبو نہیں وہ درخت ہیں جن میں ثمر نہیں اور وہ خاجس میں رنگ نہیں، میراث میں ان لوگوں کے متعلق جو شہادت حسین کے ذکر پر جھوٹ موٹ روتے ہیں کیا خوب فرمایا ہے۔

مجلس میں ریا سے جو کہ روتے ہیں انہیں

اشک ان کے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں

ہماری رائے میں اس شعر کا اطلاق کامل اس عورت پر ہے جس کو دنیا نے اس نعمت کی لذت نہ چکھائی اور وہ اپنی پیش ہما زندگی سے دنیا کو بغیر کسی قسم کا فائدہ پہنچائے ناشاد و نامراد مگر یہ قصہ کوتاہ اس مریضہ کی تقریر سن سکیں تو بے بچوں کی بیبیاں یا خوشحال عورتیں، ٹھیک ٹو بچے

جب مسجد سے صدارت کے توجہ ملنے پہنچی افضال کی کوٹھی میں ہارون نعیم کی صدارت میں مسخیرہ کی قومی نظم گونجی۔ ہاں ایک بات رہ گئی کہ اخبارات میں رُوداد بھیجنے کے واسطے کسی بی بی نے کلام اللہ کا بھی ایک رکوع تلاوت فرما دیا تھا، مختصر یہ کہ جب تک سلمان فریضہ عثمانیہ میں نہ رہے اس وقت تک دختران اسلام کا یہ گروہ قومی ترانوں اور نغموں کے ذریعہ سے اُمت مرحومہ کا کہرام مچاتا رہا، سارے نویسے کے قریب صاحب خانہ نے ہماروں کا شکریہ، مقررہ کا تعارف، اور تقریر کی وجوہ بیان کیے اور اس کے بعد مقررہ نے یہ تقریر شروع کی:-

”عزیز بہنوں! مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ سب اس جلسہ میں میری تقریر سننے کے واسطے تشریف لائیں اس وقت اسلام کی تمام توقعات آپ کی ذات سے وابستہ ہیں، اسلام نے آپ کو جو حقوق دیئے تھے مردوں نے وہ سب غصب کر لئے اور آپ کو عضو معطل کی طرح گھروں میں ڈال دیا، پردہ تمام مالکاتِ اسلامیہ میں جہاں مجھ کو مدتوں رہنے کا اتفاق ہوا ہے قطعاً نہیں ہے۔ اسلام میں چہرہ کا پردہ نہ آج ہے نہ اس سے پہلے تھا اور نہ اسلام کے دورِ اول میں اس کا پتہ چلتا ہے۔ ہندوستان میں پردہ مرد کی فوقیت اور عورت کی کمزوری کا تین ثبوت ہے مردوں نے آپ کو صرف اپنی خدمت کے واسطے مخصوص کر دیا، زیادہ سے زیادہ اس لئے کہ آپ ان کے واسطے کچے پکے پیدا کر دیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ صل کی مریض جس قدر سلمان پردہ دار عورتیں ہیں اس قدر کوئی اور نہیں ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ سلمان عورتیں جو تازہ ہمتاً قطعاً محروم ہیں ہر وقت بیمار رہتی ہیں اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ لوگوں کو دنیا کی مطلق خبر نہیں اور سو اہنڈ یا ڈوئی اور چو لھے پٹی کے کسی چیز کا علم نہیں۔ مردوں کی خود غرضی اور نفس پروری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ آج ہم کو نوٹڈی اور ماڈوں سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ انہوں نے عورت کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا ہے کہ اس کی مغفرت شوہر کی خدمت میں پوشیدہ ہے۔“

سائنس کی جدید تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورت کسی اعتبار سے بھی مرد سے کم نہیں اس کے فوائد جہانی بھی مرد سے زیادہ ورنی ہیں۔ آپ اپنی کمزوری اور نزاکت پر نظر ڈالئے آپ کو جہاں ہندوستان میں مرد اپنے سے زیادہ طاقتور دکھائی دیتے ہیں وہاں دوسرے ملکوں کی عورتیں بھی اتنی طاقتور نظر آئیں گی جو آپ جیسی دور کو بغل میں دبا کر سیلوں چلی جائیں۔ آپ نے پڑھا ہوگا کہ جس وقت انگورہ کی لڑائی ہو رہی تھی اور مرد مصروف کارزار تھے اس وقت عورتوں نے بیشن پر تمام اسباب ڈھسے میدان میں بار بار داری کی خدمات انجام دیں اور یہ انہیں کا وجود تھا اور انہوں نے اس لڑائی میں اسلام کی لاج رکھی۔

میری پیاری بہنوں یہ ارتقار کا وقت ہے اور جب تک اس کشاکش حیات میں آپ اپنی منفرد کوشش سے مرد پر غالب آنے کی کوشش نہ کریں گی۔ کامیابی محال ہے آپ کو اگر اس دنیا میں کامیاب زندگی بسر کرنی ہے تو ایشارا اور قربانی سے کام لیجئے۔ بیکفیل ٹھائیے مصیبتیں بھگتئے اور پردہ کی زنجیروں کو توڑ کر گھروں سے باہر نکلئے اور آنے والی نسلوں کے لئے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بدن چھید کر میدان صاف کیجئے۔ خود غرض مردوں نے یہ اوستم ڈھایا ہے کہ آپ کو مذہب کی آڑ میں تباہ و تاراج کیا۔ اسلام میں مرد و عورت کا درجہ مساوی ہے اور مرد کو عورت پر کوئی فوقیت نہیں اور بالفرض ہے بھی تو ہم کو اگر دنیا میں کامیاب رہنا اور ترقی کرنی ہے تو مذہبی روٹوں کی پرواہ بالکل نہ کرنی چاہیئے۔ شر کی طرح تمام مذہبی احکام ٹھکرا دینے چاہئیں جو زندگی کی اس کشمکش میں سدا رہا ہیں۔

پروے کے بعد مجھے دوسری بحث تعلیم پر کرنی ہے میرے بچے بچن میں یا میرے اس دنیا میں آنے سے پہلے لڑکیوں کی جو تعلیم ہو رہی تھی وہ مردوں کی خود غرضی کا ایک ایسا ثبوت ہے جس پر تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

ماہیت
حقہ حقیقہ
پر بجا یا اور
ہیں کہ لڑکا
ان لوگوں
ہمارا اس
وہیں بہم کو
کے معاد
اور مذہب
نظر انداز
ہیں جو
پیدا کرنی
کوشش
مجھے
ہے کہ عورت
دیکھئے
لکھنؤ
تو کوئی دم
کرتیں

ما میرا راہ نجات کہ یا وغیرہ وغیرہ کتابیں بتا رہی ہیں کہ مہر کس قسم کی عورتیں پیدا کرنی چاہیے
تھے حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے صدیوں تک مذہب کی آڑ میں اپنی حکومت کا ڈھنگا عورتوں
پر بکایا اور اب بھی بعض دقتیانوی خیالات کے پڑھے جو چراغ سحری ہیں یہ راگ الاپ دیتے
ہیں کہ لڑکیوں کی تعلیم میں مذہب نہایت ضروری ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے دنیا کے اسلام
ان لوگوں سے پاک ہو رہی ہے اور آئندہ پچیس سال کے بعد ان لوگوں کا وجود بھی نہ رہے گا
ہمارا اس وقت فرض اولین یہ ہے کہ ہم اپنی لڑکیوں کی تعلیم میں مذہب کا جھکڑا قطعاً نہ آنے
دیں ہم کو دنیا میں عزت سے رہنا اور ان تمام اسباب کو فراہم کرنا ہے جو ہماری دنیاوی ترقی
کے معاون ہیں۔ ان حالات میں ہر مسلمان عورت کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ پردہ کا قطع قلع کرے
اور مذہب کے ہر اس حکم کو جو واقعی ہو یا اس کے سامنے ایسا پیش کیا جائے جو ترقی کے منافی ہو قطعاً
نظر انداز کر دینا چاہیے۔ ہم کو تمام ہندوستان میں اس وقت ایسے مدارس اور کالج قائم کرنے
ہیں جو مسلمان لڑکیوں کو دنیاوی ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچادیں اور اس وقت ہم کو ایسی لڑکیاں
پیدا کرنی ہیں جو ہر شے کے فلسفے اور موجودہ سائنس سے اچھی طرح باخبر ہوں۔ اگر آپ ان دونوں
کوششوں میں کامیاب ہوئیں تو آپ کی یہ کوشش بہت تھوڑے دنوں میں اسلام کی کاپاٹنے لگی
مجھے ایک تیسری بات اور بھی کہنی ہے اور وہ یہ کہ آپ کی معاشرت میں جو یہ چیز شامل ہوگی
ہے کہ عورت مرد کی محکوم ہو گئی ہے فوراً اڑائیے۔ اور لڑکیوں کے کان تک بھی یہ خیال نہ پہنچے
دیکھئے عورت اور مرد ایک دوسرے کے برابر کے شریک ہیں اور قرآن کا فیصلہ ھُنَّ لِبَاسٌ
لَّکُمْ وَانَّمَا لِبَاسُ ھُنَّ یہی معنی رکھتا ہے مگر شوہر آپ کے ایک دفعہ بد مزاجی سے پیش آئے
تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپ اس کی منت اور خوشامد کریں اور اس کی سختی کو بخندہ پیشانی گوارا
کریں آپ کو جائز حق ہے کہ آپ بھی اسی تشری سے اس کو جواب دیں مگر کی خدمت اور اس کے

سے کم نہیں

نظر ڈالئے

دوسرے

لی جائیں۔

تھے اس

ت انجام

پاپنی متفقہ

سا دنیا میں

ہیں بھگتے

نودا اپنے

تم ڈھایا ہو

واور مرد کو

در ترقی کرنی

بھلا دینے

یاس آنے

سہرہ ہر

بچوں کی پرورش یہ سنی نہیں رکھتی کہ آپ اپنی صحت اور زندگی برباد کر لیں اور تباہ و تاراج ہو کر شہر کو آسائش پہنچائیں۔ بچوں کی پرورش میں مال تنی ہی مصیبت اٹھا سکتی ہے جتنی باپ۔ آپ پرندوں میں نہ مادہ کو دیکھئے وہ دونوں باری باری بچوں کو بھراتے ہیں۔ آج یہ باتیں آپ کو ناگوار ہوں گی اور آپ ان پر آسانی عمل نہیں کر سکتیں۔ مگر بہت کیجئے اور یقین کیجئے کہ آپ کی ہمت سے یہ بھرا پار ہو گا۔

میں اپنی تقریر کے ختم کرنے سے پہلے آپ کے سامنے اپنی عزیز بہن حارثہ افضال کا نوذہ پیش کرتی ہوں مجھے جس قدر خوشی ان سے مل کر ہوئی اس سے زیادہ ان کے حالات سن کر اگرچہ ان حالات کا آخری حصہ نہایت دردناک ہے جس فلوں و بہت کے ساتھ انہوں نے اپنے شہر مسٹر افضال کے ساتھ زندگی بسر کی اس کو سارا شہر جانتا ہے۔ ان کو کورڈ ہو جانے کے بعد ان کے پاس اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ یہ اپنی صحت کو مقدم سمجھیں اور اس بیماری میں گرفتار نہ ہوں جو متعدی ہے۔ اس میں شک نہیں عمر بھر کے رفیق کا اس طرح چھوٹ جانا نہایت صدمہ اور افسوس کی بات ہو لیکن عقل سلیم اس کے سوا دوسرا فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اگر یہ مذہب کے ان احکام پر عمل کرتیں جو آج کل کے مسلمانوں نے پیش کر رکھے ہیں اور جنت کی طلب گار ہوتیں جو مسلمانوں کی معراج ہے تو آج دنیا سے رخصت ہو چکی ہوتیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کو مقدم سمجھا اور اپنی جان مرض متعدی سے بچائی حقیقتاً احکام ہی ہیں اور اسی کا نام اسلام ہے؟

(۱۰)

بڑا بے میل انسان کا خدا کی طرف رجوع ہونا حقیقتاً اس اصول کے تحت میں ہے کہ مصیبت انسان کو خدا یا دولاقتی ہے۔ افضال پر جو مصیبت آکر پڑی وہ مصیبت کے اعتبار سے انوکھی یا غلطی نہ تھی۔ مگر نوعیت کے اعتبار سے لاریب بے مثل تھی۔ اب اس حالت میں کہ دن بھر ایک ٹوٹے

ہوسے پلانگ
رہتا۔ جاگے
فرشتہ رہا اور
ہوئی راتیں
طرح سمجھ رہا
بواللہ اہل
معلوم رحمہ
کبھی کبھی ندا
افضالیت
تھا۔ کمزور نظر
دیواریں اور
بیٹھ کر اٹھتا تو
جسم کو دیکھتا تو
طرف دیکھا اور
حضرت الیوبہ
مستی الضم
طرف دیکھا اور
ہم کہیں
پھر کہتے ہیں کہ

ہرے پلنگ، پرپر رہتا بھوک لگتی تو دو دو دھنان پاؤ کھا لیتا بیاس لگتی تو پانی پی لیتا، نیندا آتی سو رہتا۔ جاگنے کا مشغلہ یاوالہی کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ دل ایک عرصہ تک اور دماغ مدتوں خدا سے فریٹ رہا اس لئے طبیعت حتی الوسع بوج سے گریز کرتی اور وہی گزرتے ہوئے نقشے بسر کی ہوئی راتیں۔ بیٹے ہوئے دن سانسے آجاتے مگر اب تک چونکہ عقل موجود تھی اس لئے اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ سانپ کل گیا لکیر پٹیا کو اطمینان اگر میرا آسکتا ہے تو خواہ زندگی میں یا بعد الموت ایسی طاقت کی بدولت جوازی اور ابدی ہے۔ شفا خانہ کے ملازم نے جو مسلمان تھا خدا معلوم رحم کھا کر ثواب کی توقع پر یا کس امید پر ایک حرجہ کا قرآن مجید لادیا تھا۔ اس کو پڑھتا اور کبھی کبھی ندامت کے آنسوؤں سے رو بھی دیتا۔ سچ یہ ہے کہ وہ اب نام کا افضال تھا۔ افضالیت مدتیں ہوئیں کہ فنا ہو چکی تھی جسم کی کھال خشک ہو چکی تھی ہڈیاں اور ڈھانچ باقی تھا۔ کمزور نظریں اُبی شیر کی طرح جو ہنجرے میں قید ہو کر سلاخوں سے ٹکریں مارتا ہو شفا خانہ کی دیواریں اور شاہ بلد کے درختوں سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آجاتی تھیں چند گز چلتا تو پکڑ آجاتے اور بیٹھ کر اُٹھتا تو کمر میں درد ہونے لگتا۔ ایک روز علی الصباح اس نے نماز پڑھی پراکے میں آکر بیٹھا۔ جسم کو دیکھا تو ہرجسہ کوڑھ کے چٹوں سے لپا ہوا تھا کہیں کھلی تھی، اور کہیں کیڑے تھے آسمان کی طرف دیکھا اور شکر کیا۔ دل اپنی حالت دیکھ کر بھرا آیا۔ قرآن شریف کھولنا تو نظر اس وقت پر پڑ گئی حضرت ایوبؑ نے اسی حالت میں خدا کو اپنی درد کے واسطے ان الفاظ میں بکا رہا ہے رَبِّ اِنِّیْ مَسْکِیْنٌ اَلْفَرُّوْا نَتُّ اَزْ حِمَمِ اللّٰہِ اَرْحَمِیْنِ ۝ کلیدِ دہل گیا۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ آسمان کی طرف دیکھا اور نگاہیں پچی کر لی۔

ہم کہیں پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ افضال کے دکھ ہوئے دل کی دُعا عرش پر پہنچ گئی، اور آج پھر کہتے ہیں کہ اس درگاہ میں نہ عہدہ کی ضرورت تھی نہ مکرور کی، نہ دعا کی نہ التجا کی، افضال کی

اشد الحییری ام

نتائج ہر

بہتی باپ۔

ہمیں آپ کو

بے گناہ آپ کی

اکا ٹوٹہ پیش

تکر، اگر چنان

۱۰۰۰

نے کے بعد ان

اگر تیار نہ ہوں

پیت صدی اور

یہ مذہب کے ان

طلبہ کا رجوعیت

ای زندگی کو

تأمر اسلامي

9 1

۲۰۴

از سرانجام

آنکھ آسمان پر تھی اور وہ عالم تحمل میں بصد عجز و نیاز اپنے حقیقی شہنشاہ کے دربار میں دست بستہ یہ عرض کر رہا تھا کہ

”لے تو وہ جس نے ایوبؑ کے زخموں کو راحت سے بدل دیا۔ افضال کی مصیبت کو بھی تو راحت سے بدل سکتا ہے! میرے اعمال یقیناً اس کے مستحق نہیں، میرے افعال اس سے سخت تکلیف کے مستوجب اور میں خود اس سے بہت زیادہ عذاب کا سزاوار ہوں مگر تیری سرکار بڑی ہے اور میں ایک ناچیز انسان ہوں۔“

افضال کی زبان خاموش تھی مگر اس کی آنکھ یہ سب کچھ ایک ہی گردش میں ادا کر گئی۔ دنیا اس سے اتفاق نہ کرے اور ماقبہ اس کو ٹھکرا دے مگر ہم آج پھر کہتے ہیں کہ کائنات شہنشاہ نے افضال کے گناہ رحمت کے دامن میں چھپائے۔

ابھی خوف کے آنسو افضال کے رخسار سے خشک نہ ہونے پائے تھے کہ سترہ اٹھا ہا
برس کا ایک لڑکا سر پر صاف باندھے ننگے پاؤں نعل میں ایک پوٹلی اور ہاتھ میں بیگ لے
شفا خانہ میں داخل ہوا اور سلام علیک کر کے افضال سے مصافحہ کو ہاتھ بڑھایا!

(۱۱)

وہ خالی جسم جس سے ہر تنفس کو سوں دور بھاگ رہا تھا۔ وہ ہاتھ جو عمر بھر بلند رہ کر آج ایسے
نیچے ہوئے کہ شفا خانہ کے غیر نوکر کے آگے اٹھے اور خالی پھرے اس کی امداد کی طرف
ایک انسانی ہمتی کا آگے بڑھنا ایسے حیرت اور تعجب کی بات تھی کہ افضال سناٹے میں رہ
گیا۔ مگر اس کے دل نے معاً فیصلہ کر لیا کہ یہ نووارد ناواقف ہے مجھے مناسب نہیں کہ اس کو
مصیبت میں بہستلا کر دوں۔ پیچھے ہٹا۔ اور کہا:-

”آپ کو شاید علم نہیں کہ میں کوڑی ہوں اور مجھے ہاتھ لگانا بڑی چیز ہے۔ میرے پاس بیٹھیں

دست

سے بھی یہ مرض دوسرے میں سرایت کر جائے گا۔ آپ دیدہ و دانستہ مصیبت مول نہ لیجئے اور کچھ دور فاصلہ پر کھڑے ہو کر گفتگو کیجئے۔

نہ کبھی تو

اجنبی کے چہرے پر مسکراہٹ آئی اور کہا: آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں آپ کی دایہ بی جھکت کا لڑکا سلیم ہوں۔ میں نے ملازمت کی مگر موقوف ہو گیا۔ تجارت کی ناکام رہا۔ قلی بنا، بیجا رہ گیا۔ غرض زندگی کا ہر میدان میرے واسطے تنگ ہے۔ مجھے جس وقت سے آپ کے حالات معلوم ہوئے ہیں میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنا یہ خون جس میں آپ کا نمک دھڑ رہا ہے آپ پر قربان کروں اور ایسی موت مروں جو اگر دوسروں کے واسطے نہیں تو میرے واسطے باعثِ فخر و عار زندگی کے آخری لمحوں میں جب پروازِ روح کا وقت قریب ہو تو دل اپنی حرکت بند کرنے سے قبل وفاداری کی ایک ایسی مسرت کا لطف اٹھائے جس کی جھلک میں اس وقت بھی اپنے دل میں پارہا ہوں۔ میں نے آپ کے حالات معلوم کرنے کے بعد شہر کے مشہور طبیبوں کی طرف رُخ کیا۔ مجھے کوڑھ کا ایک نایاب نسخہ ملا ہے۔ مگر فوس وہ اصلی بوٹی جو اس نسخہ کا جزوِ عظیم ہو باوجود سخت محنت و تلاش کے اس سامنے والے پہاڑ سے بہت تھوڑی سی ملی، ارادہ تھا کہ آگے بڑھوں اور زبا وہ ڈھونڈ کر لاؤں مگر حقِ نمک نے بے چین کر دیا۔ دل تڑپتا رہا۔ اور جوش وفاداری نے قدم آگے نہ بڑھنے دیئے۔ سرکارِ آپ کیا فرما رہے ہیں تو ایک علامہ ہیں۔ میرا خاندان آپ کے ککڑوں سے پلا ہے۔ ہم لوگ اگر تمام عمر بھی تے کریں تو آپ کا نمک ہماری انٹڑیوں سے نہیں نکل سکتا۔ آپ کی یہ حالت ہو گئی میں زندہ رہوں اور اس وقت کام نہ سکوں لعنت مجھ پر میری زندگی پر اور میری صورت پر۔

ان لیے

طرف

ہیں رہ

کہ اس کو

اتنا کہہ کر سلیم نے اپنی بوٹی اور بیگ نیچے رکھا۔ نمک کا جوش غالب ہوا۔ وفا کے خوش رنگ پھولوں نے دماغ معطر کر دیا آنکھیں انسانیت کے سرمہ سے منور ہو گئیں اور دوڑ کر پٹ گیا۔

سا بیٹھے

سلیم کے پیٹنے ہی افضال کی حالت بگڑی۔ اس نے سوچا کہ اللہ غنی اس دنیا میں جہاں
حائرانہ جیسی تعلیم یافتہ بیوی دھوکہ دے گئی وہاں ایسے ایسے غلغلے انسان موجود ہیں جنہوں نے
میرا کچھ کھایا نہ پیا۔ میں جن کی صورت تک نہیں پہچانتا محض بزرگوں کے تعلقات پر۔ جان
بو جھ کر میرے واسطے مصیبت مول لیتے ہیں۔

سلیم کا دل محبت و دفا کے خزانے سے بھر بڑ تھا اور افضال کا دل جو آدمی کی صورت اور
آواز تک کو ترس گیا تھا قدر دانی اور محبت کی نعمت سے مالا مال۔ دونوں کے پاکیزہ جذبات
دلوں میں نہ ٹھہر سکے اور آندھوں کی ندیاں آنکھوں سے رواں ہو گئیں۔ دیر تک یہ حالت طاری
رہی سلیم نے اس وقت علیحدہ ہو کر ادھر ادھر سے لکڑیاں جنیں پانی گرم کیا۔ مل کر افضال کو
نہلایا اور کپڑے جو اس کے ساتھ تھے بدلوائے۔ جب تک افضال اس اچھے پر غور کرتا رہا
اس وقت تک سلیم نے جس کے ساتھ جس موجود تھی کھانا تیار کیا اور اجلا دسترخوان بچھا کر سینے
لا کر رکھا وہ عیب وقت تھا جب افضال نے ایک عرصہ دراز کے بعد اپنے سامنے یہ سامان
دیکھا اور اس سے زیادہ تعجب انگیز وہ لمحہ تھا جب افضال نے سلیم سے کہا: "دو تم بھی
دسترخوان پر بیٹھو" اور سلیم نے ہاتھ جوڑ کر کہا: "ایک نمک خوار غلام کی اتنی مجال نہیں کہ
بہر کار کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے؟"

افضال نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ وہ ہر ذالہ پر ایک طرف سلیم کو دعائیں دے رہا تھا اور
دوسری طرف خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ کھانے سے فراغت کے بعد سلیم نے تمام زینوں اور
چٹوں پر حکیم کی وہ دوائی جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا چھڑکی۔

اتنے دنوں بعد افضال کو جو پیٹ بھر کر کھانا میسر ہوا تو لیٹتے ہی بے خبر سو گیا۔ اور سلیم اس
کے پاؤں اور کمر باندھے بیٹھا۔ سہ پہر کو جا کر اس کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ آنا زادہ برابر پاؤں دبلے ہیں

مصروف ہو۔ بے اختیار ہو کر پھر لپٹ گیا۔ سلیم بھی اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے گردن بچی جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ شام قریب آئی۔ ہسپتال کا ملازم نووارو سے دو ایک بانیں پوچھ کر دودھ اور پانی رکھ کر چل دیا۔ سلیم نے اپنے اسباب میں سے لمبے نکالائیں بھر اور روشن کر دیا۔ رات بھر سلیم اسی طرح افضال کی خدمت میں مصروف رہا۔ افضال نے ہر چند کہا مگر اس نے نہ آنکھ جھپکائی نہ الگ ہوا۔ صبح ہونے لگی تو رات بھر کا جاگا ہوا سلیم اس کی پائنتی زمین میں اپنا مکمل بچھا پڑا۔ افضال جاگا تو دریائے حیات میں غوطے مار رہا تھا۔ بالآخر وہ اس تیجہ پر پہنچا کہ جس نے دیسٹ کو یعقوب سے ملوایا جس نے موسیٰ کو امات کی ماری ماں کی گود میں دے کر اس کی آنکھیں روشن کیں جس نے صابر ایوب کو رحمت جیسی بیوی کے ہاتھ سے تندرست کیا، وہی اپنی قدرت دکھا رہا ہے اور اسی نے سلیم کے دل میں یہ درو پیدا کر کے اپنی قدرت کے یہ تماشے دکھائے۔

تین دن اور تین راتیں اسی طرح گزریں چوتھے روز بجائے افاقہ کے افضال کی حالت اور بھی ردی ہو گئی کیڑے تمام جسم میں پڑ گئے چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی اور اب سلیم اور افضال دونوں کو موت کا پورا یقین ہو گیا۔ پانچویں روز افضال کی حالت بالکل ہی ردی تھی۔ اور سانس کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہی۔ وہ کئی گھنٹہ تک پیش پڑا رہا۔ رات کے آخری حصہ میں جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ پیڑیوں کا وفادار نوکر رو رو کر اپنی آنکھیں اس کے قدموں سے مل رہا ہے! دل اور بھر آیا اس کو اشارے سے اپنے پاس بلا کر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر زبان نے یاری نہ دی۔ سر ٹپک کر خاموش ہو گیا۔ سلیم نے تھوڑا سا شہر حلق میں ٹپک کر پیشانی پر بوسہ دیا۔ تو دیکھا کہ اس حالت میں افضال کی آنکھ سے آنسو بہ رہے ہیں۔ صافے کے کونے سے

اس کے آنسو پچھ اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا: خدا پر بھروسہ کروہ تنکے میں جان ڈالنے والا ہے۔“

دونوں کی رات اسی طرح ختم ہو گئی اور صبح صاوق اپنا ڈنکا بجاتی ہوئی نمودار ہوئی تو افضال نے اشارہ سے پانی مانگا سلیم پانی کو اٹھا تو صراحتی خالی تھی۔ شکے کو دیکھا تو وہ بھی خشک شفا خانہ کے گھڑے کو بھانکا تو وہاں بھی بوند نہیں۔ دل یہ گوارا نہ کرتا تھا کہ اپنے آقا کو اس حالت میں چھوڑ کر جاؤں ایسا نہ ہو کہ میری عدم موجودگی میں دم بھل جائے۔ نہ یہ برداشت ہو سکتا تھا کہ اس آخر لمحہ میں پانی کے دو قطرے کو ترستا ہوا دنیا سے رحمت ہو۔ کچھ دیر سوچا اور گھڑے کو نکلا۔ صبح ہو چکی تھی مگر آسمان تیرہ دن تاریک تھا بجلی کو نہ رہی تھی باؤل گر رہا تھا اور اوڑھے پڑ رہے تھے۔ آگے بڑھنے کی ہمت نہ پڑی۔ مگر خدا سلیم کے پہلو میں کیسا دل تھا اور دل میں خدا معلوم کس قسم کی وفاداری کا جذبہ پھر میں لے رہا تھا کہ بارش کو چیرتا، اولوں کو سہتا، اور بجلی کو انگیزتا، شفا خانہ سے باہر نکلا۔ کنواں معلوم نہ تھا کہ کدھر ہے۔ پہاڑ پر چڑھا اور چاروں طرف دیکھا تو سامنے آبشار بہہ رہی الپ رہا تھا بے تحاشا بھاگ کر نیچے اترا۔ واسن کوہ میں چشمہ بہہ رہا تھا، اروہ کیا کہ کنارے ہی سے گھڑا بھریوں مگر پانی گدلا اور میلا تھا آگے چلا اور مگر پانی میں جا پہنچا۔ پانی رواں تھا بارش اور بجلی بدستور تھی۔ اولوں کی بوچھاڑ سے سر جھلپتی ہو رہا تھا کہ زمین پاؤں سے نکل گئی، ڈباؤ پانی میں چلا گیا اور غوطے کھانے لگا۔ اس نازک موقع پر جب ایک وفادار نوکر اپنے آقا پر اس کی آنکھوں سے دھواں تن تنہا قربان ہو رہا تھا ہٹی کے ناجیز گھڑے نے اس کو سہارا دیا اور کنارے پر پہنچا یا لیکن درخت کی کسی شاخ کی کھڑبج اس زور سے لگی کہ تمام رات ہو لہان ہو گئی۔ بہر حال پانی کا گھڑا بھرا اور اسی طرح بھاگ بھاگ شفا خانہ آیا،

توافضا

بھی سہا

سلیم کو

ہیرا نکا

پڑ ہیرا

سید

آقا

نہیں لا

سے رہا

تاریخ

کاشائے

ہوں۔

دیکھے

آپ کو

خدا

میں زرا

اکھڑے

چوٹ

آ

ہتکے ہیں

دور ہوئی

لے کو دیکھا

نہ کرتا تھا

م نکل جائے

سے رخصت

لی کو نہ رہی

مگر خدا معلوم

یہ لہر میں لے

نواں حلوم

ما الا پ

نارے ہی

فی رواں تھا

س سے نکل

س وفادار

ناچنے گھرے

ج اس زور سے

سٹا فائدہ آیا

تو افضال کی آنکھیں بند اور منہ کھلا ہوا تھا۔ سمجھا کہ چل بسا اور میری قسمت میں آخری خدمت کی بھی سعادت نہ تھی۔ روتا ہوا اُٹھکا اور حلق میں پانی ڈھکایا تو افضال نے آنکھیں کھول دیں۔ سلیم کو اپنے پاس بٹھایا اور اپنے بائیں بازو پر کپڑے کی ایک داہی کھول کر اس میں سے ایک ہیرا نکالا اور کہا:-

”یہ ہیرا آپس ہزار روپیہ کی مالیت ہے جس میں تیری گراں قدر خدمات کے معاوضہ میں پیش کرتا ہوں“ سلیم اس ہیرے کو دیکھ کر تڑپ اُٹھا اور کہنے لگا:-

”آقا خدا شاہد ہے ایسے ایسے ہزار ہیرے آپ کی صورت پر نثار۔ مجھے کوئی مالی توقع یہاں نہیں لائی میں تو صرف اس صورت کا عاشق ہوں اور قدیم نمک خوار ہوں وقت میرا امتحان لے رہا ہے اور زندگی کی یہ گھڑیاں مجھ کو ایمان کی کسوٹی پر کس رہی ہیں۔ خدا را میری خدمات تاراج نہ کیجئے اور دعا کیجئے کہ میری یہ کوششیں خلوص پر قائم رہیں اور ان میں کسی مالی منفعت کا شائبہ تک شامل نہ ہونے پائے کس کی دولت اور کیسا ہیرا، میں اس صورت کا دیوانہ ہوں۔ یہ بچ گئی تو میں اس خزانہ کا مالک ہوں جس پر تمام دنیا کے زروا ہر قربان! اجازت دیجئے کہ میں اس ہیرے کو اسی طرح باندھ دوں۔ خدا آپ کی عمر میں برکت دے اور ہیرا آپ کو اور ہماری بیگم صاحبہ کو نصیب ہو“

خدا معلوم چشمہ کے پانی میں کیا خاصیت تھی کہ حلق سے اترتے ہی افضال کی حالت میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا اور اسی افضال نے جس کا ایک بات کرنے سے سانس اکھڑتا تھا۔ بغیر مدد کے کروٹ لی۔ لیکن حاشا! نہ کا نام آتے ہی اس کے دل پر ایک سخت چوٹ لگی اور کہنے لگا:-

”آہ سلیم! حاشا! نہ کا نام لے کر عمر گزشتہ کے تمام واقعات سامنے رکھ دئے اور کتاب

زندگی کے تمام حالات آنکھ کے سامنے آ گئے۔ حاسنہ بیوی کی حیثیت سے شریک رنج و راحت تھی وہ میری عاشق تھی اور میں اُس کا، اور ہم ایسی خوش گوار زندگی بسر کر رہے تھے جس پر دنیا رشک کرتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک موقع پر میری انگلی میں چھلوری نکلی تو باوجود نوکر چاکر اور مائوں لونڈیوں کی موجودگی کے میرے منع کرنے پر حاسنہ نے تمام رات جاگ کر کاٹی۔ مگر اس وقت اس کو میری زندگی کی اُمید تھی اب وہ منقطع ہو گئی اور اُس کو یقین کامل ہو گیا کہ میں زندہ رہنے والا نہیں۔ اس انقطاع نے اس کی قلم و کول دی اور پتہ چلا کہ اس کی محبت وہ شہد ہے جس کے نیچے زہر بکھا ہوا ہے وہ بھول جھکی تہم میں کانٹے پٹے ہوئے ہیں اور وہ جنت ہے جو دوزخ کے طبقہ پر قائم ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ کس طرح ایک انسان بلکہ یوں کہو کہ ایک عورت اپنے حقیقی جذبات کو اتنے عرصہ تک پوشیدہ رکھ سکتی ہے۔ حاسنہ کی محبت مصنوعی تھی اس کو مجھ سے تعلق نہ تھا میری دولت سے تھا جس کا انحصار میری زندگی پر تھا۔ میرے لاپار اور بے بس ہوتے ہی وہ کھل کھلی اور میں آج بے کس ہو کر پیے یا رو رو گا رو دو دونوں کو ایک ایک پیسہ اور ایک ایک آدمی کو اس شفا خانہ میں پڑا ہوا ترس رہا ہوں وہ تعلیم یافتہ ہے اور اس کی عمر کا ایک حصہ یورپ میں جس کو میں سمجھتا تھا کہ انسانیت اور آداب، تہذیب کا مخزن ہے گزر چکا ہے۔ مگر مجھے اب معلوم ہوا کہ دور کے ڈھول سپاؤں نے وہ فقط ظاہری شوں شاں تھی۔“

اتنا کہہ کر افضال کی ہنسی بندھ گئی اور سانس رکنے لگا۔ سلیم نے تسکین دی۔ پانی پلایا اور کہا:-

”آپ تندرست ہو جائے اس کے بعد یہ باتیں سوچئے گا“

سب
گنہ
دو
دو
پا
ا

نہ
گھ

کہ
تو
آرا
اور

تم
ہنہ

(۱۲)

اب دوپہر ہو چکی تھی سلیم نے کھانا تیار کیا کھلایا۔ پانی پلایا۔ پاؤں دبانے بیٹھ گیا۔ افضال سویا تو شام کو آنکھ کھلی کل کی اور آج کی حالت میں آسمان و زمین کا فرق تھا۔ رات ابھی گزری۔ صبح ہوئی دوپہر کو دھوپ میں لٹا کر کیڑے پھٹے۔ دوا چھڑکی۔ کپڑے بدلے۔ دودھ پلایا۔ اور یہ عمل کئی روز تک جاری رہا۔ بوٹی ختم ہو گئی۔ اور ایک دن دوپہر کے وقت جب سلیم آخری دوا چھڑک رہا تھا، اُس نے کہا: آقا! دوا ختم ہو گئی؟ بوٹی میرے پاس کافی نہ تھی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کیڑے بند ہو گئے، صحت کی پوری امید ہے گر پٹے ابھی موجود اور زخم ہرے ہیں۔ اجازت دیجئے کہ میں بوٹی ڈھونڈ کر لاؤں؟

افضال کے واسطے سلیم کی صورت ایک ایسی نعمت تھی جس کا اندازہ الفاظ ادا نہیں کیسے صرف اسی کا دل کر سکتا ہے۔ اس کو شبہ ہوا کہ سلیم کا دل میری خدمت سے گھبرا گیا اور بھاگنا چاہتا ہے حسرت بھری نظروں سے اس کی صورت دیکھی اور کہا: ”مجھ کو صحت کی ضرورت نہیں۔ صرف تمہاری ضرورت ہے تم نے جو کچھ کیا میرا منہ نہیں کہ میں اس کا شکریہ زبان پر لاسکوں۔ اگر تم میرے پاس سے چند گھنٹوں کو بھی علیحدہ ہوئے تو میں تڑپ تڑپ کر اور ترس ترس کر مر جاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہاری بھوک پیاس عیش آرام ہر چیز میری وجہ سے حرام ہو چکی۔ تم میری وجہ سے مصیبت کے کنویں میں کودے اور وہ پہاڑ اپنے سر پر لیا جس کا جواب آج اس دنیا میں کوئی زندہ انسان نہیں دے سکتا تم نے مجھ کو مرے ہوئے ماں باپ یا دولا دئے اور وہ کیا جس کے شکریہ سے میری زبان ہی نہیں میرا روٹھنا روگھنا قاصر ہے۔ اللہ رحم کر اور مجھ کو تنہا نہ چھوڑے؟“

افضال کی گفتگو سن کر سلیم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس نے اپنا منہ افضال کے منہ

بھیری

رج

ہے

ری

نے

ط

م

م

م

ت

ن

س

س

ا

س

ن

ن

ن

پر رکھ دیا اور کہا: آتا آپ کیا فرماتے ہیں میں اسی صورت کے لئے چند گھنٹوں کے واسطے بچھڑتا ہوں۔ انشاء اللہ شام سے پہلے حاضر ہوں گا۔ یقین کیجئے گو میں آپ سے دور ہوں گا۔ مگر میرا دل یہیں پڑا رہے گا۔

جب افضال خاموش ہو گیا تو سلیم اٹھا۔ سلیم کا وہ زخم جو دریا میں لگا تھا ابھی تک بدستور برسرِ رہا تھا اور افاقہ کی صورت نظر نہ آتی تھی آج پا چامہ خون میں تر بہت دیکھ کر افضال کا کلیجہ دھک سے رہ گیا اور اس نے کہا: اے سلیم یہ کیا ہوا؟

سلیم نے نہایت لا پرواہی سے جواب دیا کچھ نہیں ایک معمولی پھنسی ہے جو پھوٹ گئی؟ افضال نے کہا: جب تک اس کی مفصل کیفیت نہ بیان کرو گے میں یہاں سے نہ اٹھنے دوں گا یقیناً یہ چوٹ لگی ہے۔ بتاؤ خدا کا واسطہ بتاؤ۔

سلیم نے ٹوک ٹوک کر کچھ تھوڑا سا حال بتایا اور زخم پر پٹی باندھ کر لنگڑاتا ہوا پہاڑ کی طرف روانہ ہو گیا۔

شام تک پہاڑ کی ٹھوکریں کھائیں، گھور گھور کر دیکھا، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ چپہ چپہ دیکھا۔ کونا کونا دیکھا، اور نین چاریل اسی تلاش میں بھل گیا بے وقوف کو حق تک میں یہ خیال بھی نہ رہا کہ میں کہاں ہوں کہاں جاتا ہوں۔ شام سر پہ پہنچی مگر بوٹی کا کہیں پتہ نہ لگا۔ آفتاب چھپا، جھٹ پٹا ہوتا ریکی ہوئی اور چادر سیاہ فضاء آسمانی پر چھا گئی تیار چٹمک رہے تھے، مگر رات اندھیری تھی جگہ جگہ جانوروں کی چیخ دیاڑنے پہاڑ سر پر اٹھایا غریب کو اب خیال آیا کہ بوٹی نہ ملی اور خدا معلوم مریض ہو گیا گندہ رہی ہوگی۔ لوٹا مگر راستہ کا نشان تھا نہ شفا خانہ کا پتہ، دو قدم چلتا تھا تو ٹھوکر لگتی تھی، پاؤں لہو لہان ہو گئے اور ایک مقام پر سے تو ابیا پاؤں رہا کہ اندھیرے میں اگر محض اتفاق سے درخت کی چڑ

اٹھ نہا باقی تو چکنا چور ہو جاتا۔ پھر بھی گھنٹیاں گھنٹے پہنچے اور ٹخنے زخمی ہو ہی گئے ہیں۔
سر پر کر میچ لگا دیا۔ جنگل میں جان سسٹان میدان عظیم الشان پہاڑوں کا سناٹا دل دہلا رہا تھا!
کبھی برابر سے لنگور نکل جاتے تھے۔ کہیں سانبھ پھنکارتے تھے اور کبھی کبھی اور جانوروں
کی آواز ہولادیتی تھی۔ پناہ کی کوئی جگہ نہ تھی مگر اس وقت بھی تسلیم کو اپنی زندگی کی جس
قدر تنہا تھی۔ وہ صرف افضال کی یاد اس کی تنہائی رہ رہ کر اور تم تم کمر اس کا کلچر میس
رہی تھی جہاں کے دن تھے۔ آسمان کے کوٹلی تارے چھپ گئے بادل چھل گئے اور
بجلی کی چمک اور لڑکھ کے ساتھ اوسے پڑنے شروع ہوئے۔

ہم کو خود تعجب ہے کہ سلیم کس دل کا آدمی اور کس گروے کا انسان تھا۔ حق نمک
کی ایسی دوسری مثال ہم کو نظر نہیں آتی موجودہ دنیا میں اس سلیم کو دیکھ کر جس پر افضال
کے ماں باپ بھی قربان ہو سکتے ہیں۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ سلیم فرشتہ تھا پہلی مرتبہ بھی بارش
اس کے سر پر تھی اور آج بھی اولوں کی بوجھاڑ نے اس کو پوری طرح زخمی کیا۔ صبح ہوتے
ہی بارش تھی تو جان میں جان آئی، اُجالا ہوا تو آگے بڑھا اور پھر اپنی تلاش میں ہنمک ہو گیا۔
کوشش کبھی رائگاں نہیں جاتی۔ شاہ بلوط کے ایک درخت کے نیچے بوٹی نظر آئی اور
اس کثرت سے کہ سلیم دن بھر بھی ڈھونڈتا تو ختم نہ ہوتی۔ دل باغ باغ ہو گیا۔ توڑی جس قدر زیادہ
توڑ سکتا تھا اور بھاگتا جس قدر جلد بھاگ سکا۔ شام کے قریب شفا خانہ پہنچا تو افضال بھوکا
پیاسا بے ہوش پڑا تھا سلیم دیکھ رہا تھا کہ اپنے جسم سے خون کے فوارے جاری ہیں خود
منہ ہاتھ دھو کر اپنے زخموں کی مرہم پٹی کی اور ظاہر حالت درست کرنے کے بعد سب سے پہلے
کھانا کھایا۔ اور اس کے بعد افضال کے قریب آیا اس کو ہوشیار کیا تو افضال نے دونوں
ہاتھ سلیم کے آگے جوڑے اور کہا۔

”سیلم اولے کروغانہ کرا تو کہاں تھا؟ کچھ خبر ہے کہ مجھ پر کیا گذر گئی۔ پورے چھتیس گھنٹے ہوئے کہ میں نے آدمی کی صورت نہیں دیکھی ورنہ پانی حرام ہے بات نہیں کی جاتی۔ نہ چند قطرے پانی کے حلق میں ڈال“

سیلم نے پانی پلایا کھانا کھلایا وہ پلانی بھی اور لکائی بھی۔ اور پاؤں دبانے بیٹھ گیا رات گذر گئی صبح کو افضال کی حالت روز سے بہتر تھی اور بہتر ہوتے ہوتے اب اس درجہ پہنچا کہ مہینہ کی پندرہ تاریخ کو جب ڈاکٹر آیا تو مرلیض کی حالت دیکھ کر مسکتے سا ہو گیا اور اس نے کہا ”مسٹر افضال آپ تو تندرست ہو گئے۔ موت کا اندیشہ بہت کم ہے۔ دیکھئے دوانے آخر اپنی تاثیر کی ایک ہفتہ بعد ہم مسٹر افضال کو بھی آنے کی اجازت دے دیں گے۔ اور آپ کو کر چاکر بھی نہایت خوشی سے آپ کی خدمت بجالائیں گے“

افضال کو دو اچھوڑے مدتیں ہو گئی تھیں صحت کے آثار نمودار ہوتے ہی اس کا رنگ بدل گیا۔ اور جس زبان سے صرف افضال نکلتا تھا، آج اس سے مسٹر افضال نکلنے لگا۔ سیلم ڈاکٹر کو دیکھ کر چھپ گیا تھا، اس نے شروع ہی سے یہ احتیاط کی تھی کہ مجھ کو ملازم بھی نہ دیکھنے پائے ایک ہفتہ اور گذرا۔ سیلم کی خدمت ناقابل بیان ہے۔ اس نے مسلسل راتیں اور متواتر دن اسی خدمت میں گزار دیئے، اس کے اپنے زخم روز بروز بڑھ رہے تھے۔ اور تمام جسم بولہ بولہ ہو رہا تھا لیکن آقا کے آگے اس کو اپنا یا اپنی بیماری کا قطعی ہوش نہ تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ افضال کے زخم بھونسی کی طرح اڑ رہے تھے جسم کندن کی طرح وکنے لگا۔ اور وہ قریب قریب اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ ڈاکٹر جو مہینہ میں دو دفعہ بھی شکل سے آتا تھا اب آٹھویں دن پہنچا اور آج اس کو برآمدے میں ٹہلتا دیکھ کر سناٹے میں رہ گیا۔ جو شخص ہوا لگتی زہر سمجھتا تھا، اس نے نہ صرف ہاتھ ملائے

بلکہ گلے ملا اور مبارک باد دے کر اُسے قدموں لوٹ گیا۔

اس وقت شاہم ہوجی تھی، علی الصباح ڈاکٹر جیٹ اور شہر کے امرا و رؤسا شافانہ
جی میں مبارک باد کے لئے جمع ہوئے۔ دوپہر تک مسر افضال بھی تشریف لے آئیں اور جس
بیوی نے زندہ شہر کو مردہ سمجھ کر لعنت پھیر دی تھی، وہ بھی خوشی کے مارے اچھل پڑی افضال
اب دنیا اور اس کے تعلقات کا پورا امتحان کر چکا تھا، اور سمجھ رہا تھا کہ یہ سب مائی جلوے
کیا معنی۔ سمجھ نہ سکتے ہیں جب مسر افضال نے گھر چلنے کی درخواست کی تو اس نے کہا۔
”تم جاؤ میں شام کو آ جاؤں گا۔ سواری بھیجو“

حکمرانہ نے ہر چند عزت کیا اور چاہا کہ میں بھی شام تک یہیں ٹھیروں اور ساتھ بیلوں۔ مگر
افضال نے اس سے اتفاق نہ کیا اور اس کو روانہ کر دیا۔ سلیم ان سب سے منہ چپا کر غائب ہو گیا
تھا کہ افضال اس کے سر پر آ پہنچا۔ دیکھتا کیا ہے کہ بدنصیب کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے
جو زخمی نہ ہو سمجھ گیا کہ یہ تمام زخم بونی کی تلاش میں اس رات کے ہیں۔ سامنے آ کر کھڑا ہوا
اور کہنے لگا۔

”پیارے سلیم! میں اگر ان زخموں پر قربان بھی ہو جاؤں تو تیرا شکریہ ادا نہیں کر سکتا
میری جان تیری ہے۔ میرا مال تیرا ہے اور میں تیرا ہوں۔ اب گٹھی آتی ہے غسل کر کیڑے
بدل اور میرے ساتھ چل کہ میں دنیا کو اس خشن کی صورت دکھاؤں جس نے بتا دیا کہ ایمان
کیا چیز ہے“

اتنا سنتے ہی سلیم کھڑا ہو گیا اور کہا۔

”ہاؤشاہ کس کا شکریہ، میں تو غلام ہوں۔ میں نے اپنا حق نمک ادا کیا ایسے الفاظ اپنی زبان
سے نہ فرمائیے! میں نے جو کچھ کہا اپنا فرض ادا کیا۔ یہ احسان یا کرم نہیں ہے تاکہ کوٹھی شوق سے

تشریف لے جائیے خدا آپ کو تباہی و شادابی اور کئے میرے چلنے کی ضرورت نہیں کبھی موقع ہوگا
تو پھر حاضر خدمت ہوں گا۔

اتنا کہہ کر سلیم بھاگتا اور واقعی کوشش کی کہ افضال کی آنکھوں سے روپوش ہو جائے مگر افضال
اب بیمار نہ تھا۔ اس نے سلیم کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

”ماہمکن کو ممکن نہ کر! میں یہ جانتا ہوں کہ میں کسی طرح بھی تیرا شکر یہ ادا نہیں کر سکتا۔ مگر اب
جان بھلے گی تو تیرے ہاتھوں میں اور تیرے قدموں پر۔“

سلیم مجبور ہو گیا اور ساتھ آیا۔ اتنے میں گٹاٹی آگئی تو افضال نے کہا: سلیم ناک پر لیا
کیا زخم لگا ہے کہ آج تک کپڑا اس پر سے نہیں اٹھا! میں سب سے پہلے تم کو ڈاکٹر کے پاس
لے چلتا ہوں۔

سلیم نے اس بات کو باتوں میں ڈال دیا اور دونوں کوشی میں داخل ہو گئے۔

(۱۳)

آج حاکم نے افضال حسین کو دلہن بنا دیا۔ برآمدہ کا کوئی حصہ اور مٹی کا کوئی
کنگرہ ایسا نہ تھا جہاں روشنی نہ لگے رہی ہو۔ برقی روشنی نے رات کو دن بنا دیا تھا۔ زنانہ اور مردانہ
دونوں حصے شہر کے معزین مرد اور عورتوں سے کچا کچھ بھرے ہوئے تھے۔ بلیں چڑھی
ہوئی تھیں، خوشبوئیں جھک رہی تھیں، اور عمارت منہ سے بول ہی تھی جس طرح مردانہ میں
ایک طرف انگریزوں کا مجمع تھا اور دوسری طرف ہندوستانیوں کی اسی طرح زنانہ میں بھی افضال کی سوتیلی
بیوی کے بہت نفیس تہجد اور ہر طرف سے اس کے اوپر پھول برس رہے تھے، ابھی کھانا چننا نہ گیا
تھا کہ افضال اٹھا اس خاص موقع تخت کے پاس آیا جو مردانہ اور زنانہ کمروں کے وسط میں تھا
پخت سرسبز بلیوں اور خوش رنگ پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ سونے چاندی کی مرصع سلاخیں پر

دبیا و حیر کے پر وے پڑے ہوئے تھے ۱۰ فضال نے اپنے محسن سلیم سے جو ایک علحدہ کردہ
میں خاموش بیٹھا تھا درخواست کی کہ وہ ہنا دھو کر کپڑے بدلے اور اس سخت پر تشریف لائے۔
جب سلیم غسل کر چکا اور سنہری پردوں میں آگیا تو فضال نے باور بلند کہا:-

”مجھ کو ڈاکٹر کی دوائے شفا ہوئی نہ شفا خانہ کی آب و ہوا سے۔ میں وہ درس عبرت ہوں جس کے
اس دور علالت کا ہر لمحہ آپ حضرات کے سامنے فلسفہ زندگی کو حل کر رہا ہے میں وہی شخص ہوں
جو المائدہ و دولت کا مالک اور محسٹریٹ۔ مگر جب دنیا یہ یقین کر چکی کہ میری ہوا لگنے سے
انسان کڑی ہو گا تو ہر تنفس نے طوطے کی طرح دیر سے بدل لئے کو کرچا کر الگ ہوئے عزیز
اقارب نے منہ پھیرا اور ملنے جلتے والوں نے اپنا رستہ لیا۔ میں وہ وقت ہرگز نہ بھولوں گا جب
ہسپتال کا ڈوٹا ہوا پلاگ مجھے نصیب ہوا یہ وہ ساعت تھی کہ میں ہر شخص کے آگے ہاتھ جوڑ رہا
تھا۔ منت و خوشا ہرگز نہ تھا مگر کوئی میری طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ حد یہ ہے کہ ہسپتال کا
ملازم بھی مجھ سے بھوت کی طرح بھاگتا تھا۔ میں نے مجبور و لاچار ہو کر حائرانہ فضال کو اس لئے
کہ وہ زندگی کی شریک تھی خط لکھا اور اپنی حالت نہ ار پر متوجہ کیا مگر اس نے مجھ کو بتا دیا کہ یہ
تعلقات کیسے فانی ہوتے ہیں اور ان کا انحصار کس قدر نفس پروری پر ہے۔ مجھے یہ کہنے میں
شرم نہ ہونی چاہیے کہ وہ بی بی جو آج مجھ کو زندہ اور تندرست دیکھ کر باغ باغ ہو رہی ہے وہ
میری موت کا یقین کرنے کے بعد اتنا رگم بھی نہ کر سکی کہ میرے قاصد کو چند چاندی کے سکے
دے دیتی۔ وہ ہندوستان کی اعلیٰ تعلیم یافتہ جو یورپ کی بارہا سیار کر چکی ہے مجھ کو اتنا بھی سختی
نہ سمجھ سکی کہ کتنے کی طرح اپنے دسترخوان سے جو حقیقتاً میرا ہی تھا وٹا لے بھیج دیتی۔

جب دنیا مجھ پر تنگ اور موت میرے سر پر کھیل رہی تھی اور زندگی مجھ کو تعلقات کے
معنی بتا رہی تھی اس وقت میرے دل میں وہی جذبہ پیدا ہوا جو ہر اس شخص کے دل میں پیدا ہو گا

اور ہوتا ہے جس نے ایک مسلمان کے دودھ سے پرورش پائی۔ یعنی اس سے لڑی اور بچہ کی
 کی حالت میں جب میرے کمرے میں انسان تو درکنار مجھے ایک ٹوٹا ہوا چراغ بھی اپنے
 کمرہ کو روشن کرنے کے واسطے میسر نہ تھا میرا یہ اگر ہوا سر اور تنی ہوئی گردن خدائے بہتر و
 برتر کی درگاہ میں جھکی ہیں وہی افضال ہوں جس نے اسلام کی تصحیک میں کس نہ کی۔ علماء کو بیل
 پہنچنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا مگر آج اس مجمع میں اقرار کرتا ہوں کہ لاریب وہ رحیم و کریم ہند
 کی پیکار کو پہنچتا ہے اور اپنے تماشے اس طرح دکھاتا ہے کہ دنیا رنگ و بوائے۔ ڈاکٹر میری
 موت کی پیشین گوئی کیچکے حائلہ مجھ سے پوری طرح فرٹ ہو گئی اور احباب مجھ سے کوسوں
 دور بھاگ گئے۔ جب دنیا اپنی بیوفائی اور کج ادائی کا پورا ثبوت دے چکی۔ اس وقت
 میری فریاد پر میرا خدا متوجہ ہوا اور ایک ایسا شخص جس کو میں انسان سے بہت اعلیٰ وارفع
 سمجھتا ہوں میری مدد کے واسطے بھیجا۔ یہ میری دوا کا لڑکا سلیم ہے۔ اور میرا منہ نہیں کہ اس کا
 شکریہ ادا کر سکوں۔ یہ وہ لڑکا ہے جس نے اپنی راتوں کی میٹھی نیندیں اور اپنے دنوں کا
 پیار اس کے مجھ پر قربان کیا۔ اپنا عیش و آرام حرام کیا اور مجھ کو موت کے منہ سے بچایا۔ اس نے مجھ
 جیسے مریض سے جس کی ہوا لگنی زہریلی لپٹ لپٹا کر رو رو کر اور بلبلا بلبللا کر ہمدردی کی۔
 پہاڑ کی بوٹی اور چشمہ کا پانی لایا۔ لگائی اور پلایا۔ اس کا حکم چلانی ہے۔ اس نے میرے واسطے
 ادویں کی باڈیاں اپنے سر پہ لی اس کا سر اٹھایا ہے۔ اس نے پہاڑوں کی ٹھوکریں کھائیں
 اس کے پاؤں اٹھایا ہے۔ اس نے ایک رات محض میری صحت کے واسطے اس پہاڑ
 پر گزاری جہاں دن کو بھی جاتے ہوئے انسان کا پتہ دہلتا ہے۔ میں قادر عزوجل کا شکر یاد
 کرنے کے بعد آپ حضرات کے سامنے اس حسن کے قدموں پر سر رکھتا ہوں اور بھیج ہی کہتا
 ہوں کہ کسی طرح اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا میں اپنی مصیبت کو یاد کر کے روتا ہوں اور عقل کام

نہیں کرتی کہ کس طرح اور کس منہ سے اپنے آقا سلیم کا شکر ادا کروں! آپ خیال فرمائیے
کہ کیا نادر وقت ہو گا جب میرے زخم کیڑوں سے پٹ رہے ہیں۔ میں ان کو چلتے پھرتے دیکھ
رہا ہوں مگر اتنی طاقت و بہت نہیں کہ ان کی علیحدہ کر سکوں۔ انسان مجھ سے ڈور بھاگ رہا ہے۔
گوشت خود جانور میری موت کے منتہی ہیں۔ اس وقت جب میرا کردہ جہم اس حالت میں گذر
رہا ہے میرا محسن سلیم میرے کیڑے پھٹتا ہے اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اپنے پاکیزہ
جہم کو مجھے پاک کرنے کے لئے گندہ کرتا ہے!

آ میرے محسن میرے آقا باہر آ اور اپنی وہ متبرک صورت جس جہان میں اپنا جواب نہیں
دیتی۔ دنیا کو دکھا اور بتا دے کہ انسانیت کیا چیز ہے؟
اتنا کہہ کر افضال نے پردہ اٹھایا۔ اندر دیکھا۔ یہ کہہ کر ایک چیخ ماری۔
”ارے میری بیگم منور!۔“

عورتیں اتنا سنتے ہی تخت پر ٹوٹ پڑیں اور منور سے پٹنے لگیں افضال چاہتا تھا کہ منور
کے قدموں میں گرے منور نے اس کا سر پکڑا اور خود اس کے قدموں گری اور رو رو کر کہا۔
”سرکار میں لونڈی ہوں خدا اگر نہ کار نہ کیجئے۔ مرے ہوئے باپ دادا کا خون اس تکہ ان
نگوں میں دوڑ رہا ہے۔ انہیں پاک روحوں کی دعا کی برکت تھی کہ میں اس کو شمش میں کا پیتا
ہوئی شکر گداریں ہوں کہ آپ نے میری خدمت قبول فرمائی؟“

افضال اس کا کچھ جواب دینا چاہتا تھا مگر فرط مسرت سے ایک چیخ ماری اور بے ہوش
ہو کر گلے سے لگا کر گر پڑا اس لئے زمانہ جلسہ دوسرے روز کے واسطے ملتوی ہوا۔

(۱۴)

شہر میں یہی سچ گئی اور ہر شخص حیران اور بے ہوش کی زبان پر یہی چرچا تھا کہ منور جس کی قبر

اب تک اس کے جد خاکی کا نشان وہ رہی ہے کس طرح زندہ ہو گئی۔ رات بھر اور دن بھر گلی گلی اور کوہے کوہے چہ ہر کچھ یہی ذکر تھا۔ جلسہ رات کا تھا مگر آدمیوں کی جلتانی کا یہ عالم تھا کہ مغرب سے پہلے ہی تل و ہرے کو جگہ نہ رہی اور کرکڑاے جاڑوں میں صحن کا انتظام کرنا پڑا۔ نماز عشا سے فراغت پا کر منور اپنے تخت پر کھڑا ہونا چاہتی تھی کہ مردانہ میں ایک اور گلی کھلا۔

بینک کے منبجہ نے شفا خانہ کے ملازم کو افضال کے سامنے پیش کیا اور کہا: آپ کی پیاری کے زمانہ میں شخص "دن" ہزار کا چمک لایا تھا جس کی ادائیگی سے میں نے جعلی سمجھ کر انکار کر دیا۔" شفا خانہ کے ملازم نے دست بستہ معافی مانگی اور کہا: "وہ بے وفائیک حرام جو بھوت بن کر آپ کے سامنے آیا اور آپ کو وخطوں پر مجبور کیا میں ہی ہوں اس کوشش میں یہ میرا ایک بھائی اور شریک تھا جو آپ کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ آج جب کہ آپ کو خدا نے یہ خوشی کی گھڑی دکھائی ہے ہمارا قصور معاف کیجئے۔" افضال کے پہرے پر اس رات کا واقعہ یاد کر کے ہنسی آگئی۔ اور اس نے دونوں کو معاف کیا۔

یہ ہو چکا تو منور نے زنانہ ہال میں اپنی تقریر اس طرح شروع کی:۔
 "میری عزیز بہنوں اور بھائیوں! میرے آقا اور مالک سید افضال نے جو الفاظ مجھ کو فرمان گنہ گار بیوی کے واسطے استعمال کئے اور جو وہ مجھ کو عطا فرمایا۔ وہ ایسا ہے کہ اس پر میں ہی نہیں میرا تمام خاندان میرے زندہ عزیز اور متبرک رو میں ہمیشہ فخر کریں گی۔ گیارہ سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ میں اس دنیا میں دہن بنی۔ دواع کے وقت جب پالکی دروازہ پر آگئی

پیر اور دن بھر

نابینہ تانی کا

روں میں صحن

پاہتی تھی کہ

ور کہا سب

سے میں نے

یر کہا "وہ

پر مجبور کیا میں

مانے کھڑا ہوا

حاف کیجئے

س نے دونوں

نہال نے

در جو دیو

ندان میر

سہ ہوتا ہ

ہ ہر گئی

تو میری مرنے والی ماں نے مجھے گلے سے لگا کر ان الفاظ کے ساتھ خست کیا۔
منوس! تم دہن بنتی ہو مگر یہ خوشی کا وقت نہیں، ایک سخت امتحان کا
وقت ہے۔ یہ وہ کسوٹی ہے جس پر تمہارے خاندانی جوہر گھلیں گے۔ تمہارے
ساتھ جو کچھ جہیز میں جا رہا ہے، یہ سب نانی چیزیں ہیں۔ رہیں یا جائیں گلیں
یا سٹریس، مگر بیٹی ایک چیز کی احتیاط بہت زیادہ کرنی ہے۔ اور اتنی زیادہ
کرنی ہے کہ خواہ جان کل جائے، مگر اس پر حرف نہ آئے۔

پیاری منوس! وہ جنتی باپ کا خون ہے اور یہ گوشت کا لو تھڑا جسے
دہن بنا کر ہیں اس وقت دواغ کر رہی ہوں میرے پاس مرنے والے شوہر
کی امانت تھا جس کی شرافت کا دار و مدار آج تمہارے افعال پر ہے۔
منوس! تم اس بچہ پنی کی بھتیجی ہو جس نے سوکن کا زہر شہد کے گھونٹ کی
طرح پیا اور آف نہ کی۔ اس کی قبر آج بھی کہ نصف صدی گزر گئی، دنیا کو
بتا رہی ہے کہ ماں باپوں کی سیٹیاں کس طرح پروانوں کی مانند اپنی شمع
پر جل جھن کر رکھ ہو جاتی ہیں تمہارا فرض یہ اور صرف یہ ہے کہ تم اپنے محبوب
شوہر افضل پر قربان ہو جاؤ یہی عورت کی زندگی کا عین مقصد ہے اور
یہی شریف بیسیوں کا بہترین جوہر۔

میں بد نصیب تھی کہ مجھ کو ماں کے سایہ سے جدا ہونے کے بعد ساس کا
دامن شفقت نصیب نہ ہوا، سرکار انگریزی تعلیم کے دلدادہ تھے، آزادی
کے شیدابے باکی کے فریفتہ میں غریب، پتا مرا ہوا آنکھیں جھکی ہوئی اپنا
فرض ادا نہ کر سکی، اور جو کچھ میرے آقا کی آنکھیں ڈھونڈتی تھیں باوجود

۱۹۱۵

کوشش کے بھی پیدا نہ کر سکی۔ میں جاہل نہیں ہوں خدا کا شکر ہے اتنا پڑھی لکھی ہوں کہ تم میں سے بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ عورت بھی اتنی ہی پڑھی لکھی ہوگی۔ میری تعلیم میں وہ چیز شامل تھی جس کا نام مذہب ہے اور یہی وہ چیز تھی جس نے شرافت کا کوئی اصول میرے ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ جب سرکار نے دوسرے نکاح کا قصد کیا تو اس خدا پر جس نے سب سے پہلے لبیک کہی وہ میں ہی بد نصیب ہوں۔ میری عزیز بہنوں۔ شوہروالی بہنوں اپنے کیلچے پر ہاتھ رکھو اور ایمان سے بتاؤ کہ میں کس دل سے سوکن کے استقبال کو تیار ہوئی ہوں گی۔ اور میں نے وہ لباس عروسی رات رات پہن بیٹھ کر اپنی آنکھوں کا تیل بکال کر اور اپنی راتوں کی نیندیں مٹا کر ان ہاتھوں سے کس طرح تیار کیا ہوگا۔ جو حاسمہ نہ بہن پر حیثیت ایک دہن کے نہیں میری سوکن کے تربیت تن کئے ہوئے اس افضال مبین میں داخل ہوئیں! بہنوں شوہر تم بھی رکھتی ہو۔ عورت کے جذبات سے اچھی طرح آشنا ہو بتاؤ وہ کیسی گھڑی ہوگی۔ جب ایک جنبی عورت میری تمام توقعات کو پا مال کرتی ہوئی، میری مسرتوں کا خاتمہ کرتی ہوئی، میرے محبوب افضال کی مالک بنی، ہمیرا ہی دل جانتا ہے کہ مجھ پر کیا گذری اور کیا گذر رہی تھی مگر زندہ ماں کے الفاظ اور مے ہوئے باپ کی تصویر آنکھ کے سامنے تھی جس نے دل کی گرتی ہوئی دیوار کو تھاما اور کا پیتے ہوئے جگر کو ٹسکین دی۔ کیا تم اندازہ کر سکتی ہو کہ میری وہ راتیں اور میرے وہ دن کیسے گزرے ہوں گے۔ جب میرا افضال دوسرے کی ملکیت بن کر میری آنکھ سے دُور اور نگاہ سے

اوجھل ہو۔ دو چار دن نہیں۔ دو چار مہینے نہیں۔ تین سال اسی طرح بسر کئے
ہیں کہ پندرہ پندرہ دن یہ کان افضال کی آواز کو ترسے اور یہ انگلیں اس
صورت کو تڑپیں، یقین کیجئے جاڑوں کی پہاڑی راتیں دیواروں سے ٹکریں
مار کر صبح کی ہیں۔ مگر خدا شاہد ہے کبھی تیوری پر بل نہ آنے دیا اور دل کی آگ کے
شعلے زبان پر نہ آئے یہ وہ دور ہے کہ پیارا افضال اور محترمہ حاسنہ ایک
خوشگوار زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان دونوں اللہ کے بندوں کو خدا ان کی عمریں
دراز کرے کبھی بھول کر بھی خیال نہیں آیا کہ ایک پربخت ایک ٹوٹے ہوئے کھنڈر
میں ان کا نام چنے والی اپنی زندگی کے دن ٹیکر کر رہی ہے۔ میں انسان تھی بسا
اوقات دوسو سہ شیطانی میرے دل میں پیدا ہوتے جب افکار سے گھبرا جاتی
تو قصد کرتی کہ کہیں چلی جاؤں۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ ان دونوں میاں بیوی کے متفقہ قہقہوں سے میرے
خزمین جبر پکلی گرائی اور میں سر پر ہنق ڈال کر یاہر نکلی میرا بدن کانپ رہا تھا،
میرا دل لرز رہا تھا، یاہر کئی اور جانے کا قصد مصمم تھا اور طبیعت بیزار ہو چکی تھی،
چند ہی قدم چلی ہوں گی کہ زندہ ماں کا دودھ خون بن کر جم میں دوڑنے لگا اور جتنی
باپ کی صورت سامنے آئی جس نے دانتوں میں انگلی دسے کر کہا:۔

”منوم دنیا کے نشیب و فراز یوں ہی ہوں گے! بیٹی ماں کے الفاظ یاد رکھ
امتحان کا وقت ہے اس کسوٹی پر کنڈن بن کر چمک اور پاس بن کر دمک“

اس متبرک صورت کا خیال پاؤں میں زنجیر بن کر پڑ گیا صبر کے قدیموں
سے واپس ہوئی اور شکر کرتی ہوئی لیٹ گئی۔ حاسنہ بہن کے کوار پتہ کا برا حصہ

اتنا پڑی

ت بھی

م نہیب

سے نہ جانے

سب سے

الی ہنوا

کے

ت پھر

اتھوں

نہیں

وہیں!

ہو بتاؤ

کرتی

الک

زندہ

جس نے

لیا تم

ہوں گے۔

سے

یورپ میں گذرا وہ انگریزی معاشرت کی دلدادہ ہیں۔ سرکار بھی اسی رنگ
 میں رنگے گئے اور یہ افضال مبین اچھا خاصا ہانڈ پارک بن گیا۔ تھے وہ دن
 اب تک یاد ہیں اور یاد رہیں گے کہ دونوں وقت ملتے جب ایک سلطان کا فرض
 ہے کہ وہ اپنے حقیقی مالک کے حضور میں جھکے۔ ہماری اس کوٹھی سے پناہ اور
 ہارمونیم کی صدا آئیں بلند ہوئیں۔ اس سرزمین نے جس پر آپ اور میں کھڑے
 ہیں۔ رسول اسلام کا مضحکہ اڑایا ہے۔ احکام الہی ٹھکرائے ہیں اور خدا کی اس
 مقدس کتاب کی توہین کی ہے جس کے خیال سے مسلمانوں کے بدن میں رعشہ
 پڑتا ہے۔ میں آپ سب جیہوں کو یقین دلاتی ہوں کہ میں گھنٹوں اسی ادبیٹرین
 میں رہی ہوں۔ کاپی ہوں اور روٹی ہوں کہ کہیں خدا کا غضب افضال مبین
 پر نہ نازل ہو۔ اور پیارے افضال کو تباہ کر دے۔ علماء کے سوانگ یہاں تھے
 گئے۔ اللہ والوں کے پرچے یہاں اڑائے گئے۔ احکام کی جہہ یہاں کی گئی۔
 اور گنہگار نہیں الٹی مگر کہتی ہوں کہ تمام ممنوعات شرعیہ اس پر جائز سمجھی
 گئیں۔ شہر میں یہاں پی گئیں۔ ناسخ یہاں ہوئے۔

المختصر یہ وہ جگہ ٹھہری جس کو خدا اور اس کے رسول سے کوئی واسطہ ہی
 نہ تھا۔ بالآخر وہ وقت بھی آیا کہ بہن حاسرۃ کی تحریک سے سرکار کی عنایت
 مجھ پر بھی ہوئی کہ میں قطعی پر وہ ترک کروں اور مجلس رقص و سرور میں شریک ہو کر
 ناخرموں کے ساتھ شراب پیوں۔ میرے سامنے دونوں راستے کیسے ٹیڑھے
 کیسے خطرناک اور کس قدر نہریلے تھے اس کا فیصلہ آپ خود کیجئے۔ ایک طرف واہی
 پڑھنا تھی اور دوسری طرف عین گڑھا۔ ایک طرف آگ کے شعلے تھے اور دوسری

طرف ہجر

لاری

جو کیف

کرتی

ارشاد

تھا

رہا

جاتی

مال

اور

نامہ

گلا

جنگ

۱۔

۲۔

۳۔

۴۔

۵۔

۶۔

۷۔

طرف بچنا پیدا کیا۔ میں حیران اور پریشان تھی کہ کیا کروں، تعمیل کرتی ہوں تو فائدہ کی
 لاف نہا ہوتی ہو اور نہیں کرتی تو شوہر کی ناراضی و ناخوشی کا بار گروں پر پڑتی ہوں مجھے
 جو کیفیت گذری تھی اس کا اندازہ صرف میں ہی کر سکتی ہوں میں اس بھرے مجمع میں قرا
 کرتی ہوں کہ میرا دل ڈمک گیا، میں شیطان کے بہکائے میں آئی اور صرف شوہر کے
 ارشاد کی تعمیل میں غیر مجرم آنکھوں کے سامنے جا بیٹھی، میرا دل اس وقت کیا کہہ رہا
 تھا اور مجھ پر کیا کیفیت طاری تھی۔ الفاظ نہیں کہ میں بیان کر سکوں۔ مرد مجھ کا گھوڑ
 رہے تھے پیارا افضال اور محترمہ حاسنہ مجھ پر ہنس رہے تھے اور میں زمین میں گر گئی
 جاتی تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ میرے عزیز شوہر نے جو میری جان اور میرے
 مال کا مالک تھا اپنے ہاتھ سے شراب کا گلاس بھر کر مجھے دیا میں آمادہ ہوئی
 اور پینے کا ارادہ کیا مگر اس زبردست طاقت کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی جس کا
 نام خدا ہے جس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے بتا دیا کہ زندگی چند روزہ ہے پس سنبھلی
 گلاس رکھ دیا اور بھاگی اور مصمم قصد کر لیا کہ اب اپنی صورت افضال کو نہ دکھاؤ گی۔
 میرے جلنے کے بعد میری تلاش ہوئی اور کئی روز بعد ایک گلی سڑی لاش
 جنگل سے برآمد ہو کر میرے نام سے منسوب کی گئی، میں اس وقت آپ کے سامنے
 اپنے شوہر کی اس عنایت کا شکریہ ادا کرتی ہو کہ مجھ جیتی جاگتی بیوی کی پختہ قبر
 بھی بنوادی گئی۔

میں اپنے میکے میں تھی اور اس لئے کہ افضال کی بات پر حرف نہ آئے کسی
 عزیز کے ٹکڑوں پر نہ تھی خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اس ماں کو جس نے
 میری تعلیم میں مسکن کاری اور سوزن کاری وغیرہ کو لازمی سمجھ کر مجھ کو اس قابل بنادیا

اب

دن

کا فرض

نواور

سے

سلس

رعشہ

نوزن

ہیں

بھڑے

گئی۔

نہ بھی

طہری

عنایت

یہ ہو کر

سے ٹیڑھے

طرف واؤ

دوسری

کہ آج بھی میں اپنے ہاتھ کی محنت سے اپنے جیسے پارکار پیٹ بھر سکتی ہوں۔
اپنی روٹی خود پیدا کرتی تھی اور وہ نوس وقت اپنا پیٹ بھر لیتی تھی مگر خدا ہتر جاتا
ہے کہ کوئی آفتاب میرے سر پر ایسا غروب نہ ہو کہ میں افضال کی ناعاقبت
اندیشی کے خیال کو ساتھ سے کر نہ سوتی ہوں۔ میں ہر نماز کے بعد اس کی سلامتی کی
دعائیں مانگتی تھی اور گوجھ کو اس کی بدولت یہ گھڑی بھی دیکھنی پڑی کہ غیر مردوں
نے مجھے گھور گھور کے دیکھا۔ پھر بھی میرے جذبہ محبت میں فرق نہ آیا اور میں اس
کی اصلاح کی دعا گو رہی۔

میں نے جس وقت یہ سنا ہے کہ میرا پیارا افضال قبر خدا میں
گرفتار ہوا، افضال میں کی اینٹ سے اینٹ بچ گئی اور افضال
ایک ایسے شفا خانہ میں پھینک دیا گیا جہاں شگل نہ بیابان آدمی نہ آدم زاد میرے
بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، جب میں نے سنا کہ جس کے ایک اشارہ پر
بسیوں ہاتھ آگے بڑھتے تھے اور جس کی ایک آواز پر ہمت سی آوازیں بلند
ہو جاتی تھیں آج دنیا اس کا مرض متعری سمجھ کر اس سے گھبرا رہی ہے۔ مجھ کو
سب سے بڑا تعجب اپنی عزیز بہن حاکمہ پر ہوا میں سمجھ گئی کہ اگر حاکمہ نہ کی تعلیم میں
مذہب شامل ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ اس وقت میرے دل نے صدا دی کہ
ممنوں ایک مسلمان عورت کی جنت شوہر کی خدمت میں ہے اور خاندانی شرف
کے جوہر دکھانے کا یہی وقت ہے، میرا دل افضال کی حالت پر کٹ گیا۔
میری آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے اور اس کی تنہائی بے بسی بے کسی کی تصویر
میری نظروں کے سامنے پھر گئی،

اب اس

اس پر کہ

ایک شک

ہے یعنی

پاس -

طرح ہو

میں م

تھا مہینہ

وہ آگے بڑھو

اس نے

ضروری

میں کر

سے لبریز

نہیں چاہ

بیٹھی پھر

ہیں جس پر

میرا

بھرنے

تھے، بارش

سکتی ہوں۔

رضا بہتر جاتا

ناما قبوت

سلامتی کی

لہ غیر مردوں

یا اوپر اس

خدا میں

ن اور انصاف

مردانہ میرے

اشارہ پر

زیر بلند

ہے۔ جھکو

کی تعلیم میں

صدای کہ

اندانی نشت

پرکٹ گیا۔

سی کی تصویر

اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ میں نے مردانہ مجلس بدلا۔ تاک پر چڑھا کر

اس پر کپڑے کا خلاف بدلا کہ صورت نہ پہچانی جائے۔ میں اس فتح میں

ایک شکست کھا چکی ہوں اور اس نفع میں مجھے ایک نقصان بھی پہنچ چکا

ہے یعنی وہ انگوٹھی جو میرے خسر نے مجھے رونمائی میں دی تھی۔ میرے

پاس سے جاتی رہی اور وہ اس طرح کہ میں نے جس چیز کو اپنی جان کی

طرح ہر وقت محفوظ رکھا وہ آفضالی کی صحت پر قربان کر دی۔

میں مردوں کے حکیم کے پاس پہنچی اور اس سے کہا کہ تم وہ کورہ کا نسخہ جو

تھامہ ہندوستان میں مشہور ہے مجھ کو بتا دو۔ طبیب راضی نہ ہوتا تھا

وہ انگوٹھی دیکھ کر جس میں لعل جھک رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چوندہیا گئیں۔

اس نے مجھے پہاڑ کی بوٹی بنا دی اور میں کھانے پینے کا سامان اور دوسری

ضروری چیزیں لے کر ہسپتال روانہ ہوئی۔

میں کس طرح کہوں اور کیونکہ کہوں کہ میرا دل اس وقت کس قسم کی سرتوں

سے لبریز تھا، جب میرا یہ فانی جسم آفضالی کی خدمت کر رہا تھا۔ میں کہنا

نہیں چاہتی مگر اس لئے کہ میرے سامنے بہت سی کنواری لڑکیاں

بیٹھی ہیں کہتی ہوں کہ میری عمر کا ایک دن اور ایک رات ایسے گزرے

ہیں جس پر نہ صرف میری آئندہ نسل بلکہ تمام فرقہ نواں فخر کرے گا۔

میرا دن وہ دن ہے جب میں اپنے شوہر کے واسطے پانی

بھرنے کے لئے چشمہ میں کودی، اولے میرے سر پر پڑے

تھے، بارش ہو رہی تھی، اور میں چشمہ میں ڈوب رہی تھی، پانی کے شے

ہند

کھانے پکانے کی ہنر

عصمتی دسترخوان

مشرقی منہ بنی کھانے

عصمتی ہند کھانا

ناشتہ

بچوں کے کھانے

بیادوں کے کھانے

مذاقہ کھانے

زمانہ دستکاری کی کثرت

عصمتی کروشیا

عصمتی کشیدہ

گلدستہ کشیدہ

سوئی کا کام

موتیوں کا کام

سلیستارہ کا کام

ادنی کا کام سلائیوں سے

جالی کا کام

تار کشی کا کام

گلدستہ تار کشی

کلاس اسچ ورک

جوہر نواں رشید الخیری نمبر

قیمت سون کا ری

خوانین کی دستکاریاں

لکڑی کا باریک کام

دھلی کا کام

چند و حسب زمانہ کثرت

پردہ و نقیل

خوانین اندیس

نیساں لٹواں

نے بچ کو بچایا اور کنا سے لگایا۔ لیکن ایک لکڑی کی کھڑبج کا زخم
جو چار انگل سے زیادہ تھا اور آج تک نہیں بھرا ایسا لگا کہ اس
وقت بھی میں خون میں تر ہوں!

میری رات وہ رات ہے جب بوٹی کی تلاش میں پہاڑ سے
پھسلے ہوں اور ساری رات اس پہاڑ پر جہاں جنگلی جانوروں کا ڈر ہے
تھے گزاری۔ مگر اس حالت میں بھی افضال کی سلامتی کی دعائیں
مانگتی رہی!

اتنا کہہ کر منوں اپنے شوہر کے قدموں میں گری اور کہا۔

”میرے آقا! مجھے محسن نہ فرمائیے، میں ایک ادنیٰ کینیز ہوں
اور میرے مذہب مقدس نے آپ کو میرا مالک بنایا۔ میرا ایمان یہ تھا
کہ میں آپ پر قربان ہو جاتی لیکن لاکھ لاکھ احسان ہے اس قادر مطلق
کا جس نے آپ کی جان بچائی!“

افضال نے منوں کا سر اپنے ہاتھ میں لیا اور صرف اتنا کہا۔
”منوں! تو بیوی نہیں فرشتہ رحمت ہے! قربان جائے
اس مذہب اور بانٹی مذہب کے جو ایسی بیویاں پیدا کرے“

جملہ حقوق محفوظ

چھٹی بار اکتوبر ۱۹۳۷ء

پہلی بار دسمبر ۱۹۳۶ء



